وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 8	شمارہ 09	ذیقعدہ 1435ھ	ستمبر 2014ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین و گرافکس: سعد حسن خان

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندرونِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۂ تکویر	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	جلتا ہوا غزہ اور خاموش او (ہ) آئی سی	عبدالرشید ارشد	12
5	آزاد وطن پاکستان کے آزاد لوگ ...... کڑوا سچ	حاجی محمد منظور انور	18
6	درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں؟ (5)	انجینئر مختار فاروقی	23
7	حقیقت نیکی (I)	انجینئر مختار فاروقی	34
8	تبصرہ وتعارف کتب	حافظ مختار احمد گوندل	47
9	**New World Order or New World System**	Muhammad Faheem	64

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورة التکویر (15-29)

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ○ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ○

اورنہیں! (ہم کو) قسم ہے ان ستاروں کی جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں

اور جو سیر کرتے اور غائب ہو جائے ہیں

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ○ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ○

اور رات کی قسم جب ختم ہونے لگتی ہے

اور صبح کی قسم جب نمودار ہوتی ہے

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○

کہ بے شک یہ (قرآن) ایک عالی مقام فرشتہ کی زبان کا پیغام ہے

ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ○

جو صاحب قوت ہے، عرش کے مالک کے ہاں اونچے درجے والا،

مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ○

سردار (اور) امانت دار ہے

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ O

اور (مکے والو) تمہارے رفیق (یعنی محمد ﷺ) دیوانے نہیں ہیں

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ O

بے شک انہوں نے اس (فرشتے) کو

(آسمان کے) کھلے (یعنی شرقی) کنارے پر دیکھا ہے

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ O

اور وہ پوشیدہ باتوں (کے ظاہر کرنے) میں بخیل نہیں

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ O

اور یہ شیطان مردود کا کلام نہیں

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ O

پھر تم کدھر جا رہے ہو؟

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ O

یہ تو کل جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ O

(یعنی) اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی چال چلنا چاہے

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ O

اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو اللہ ربّ العالمین چاہے

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

أَحَبُّكُمْ اِلَى اللّٰهِ أَقَلُّكُمْ طُعْمًا وَ أَخَفُّكُمْ بَدَنًا (مستدرک، عن ابن عباس رضی اللہ عنہ)

''تم میں سے اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو کھانے میں سب سے کم ہو اور بدن میں سب سے ہلکا ہو''

اُحْثُوا التُّرَابَ فِيْ وُجُوهِ الْمَدَّاحِيْنَ

(ترمذی، عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

''خوشامدی لوگوں کے چہروں میں مٹی ڈالو'' (یعنی ان کو ناامید کردو اور خوشامد کرنے کی وجہ سے انہیں کچھ بھی نہ دو)

اِحْفِظْ لِسَانَكَ (ابن عساکر، عن مالک بن یخامر رضی اللہ عنہ)

''اپنی زبان کی حفاظت کرو''

الجَامعُ الصَّغِير فی احادیث البشیروالنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمه اللّٰه

غزہ پر "صہیونی بربریّت"

اسرائیل — اقوامِ متحدہ — امریکہ —

اور خوابِ غفلت کا شکار عالمِ اسلام

انجینئر مختار فاروقی

1 حالیہ چند مہینوں میں مسلمانانِ عالم کے لئے سب سے تکلیف دہ خبر صہیونی ریاست اسرائیل کی غزہ کی پٹی پر گزشتہ چھ ہفتوں سے ہولناک بمباری ہے جس سے ہلاکتوں کی تعداد دو ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اس بمباری میں سکولوں پر بمباری بھی شامل ہے جہاں کثیر تعداد میں بچے شہید ہوئے۔ اسرائیل کا رقبہ غزہ کی پٹی سے تقریباً 70 گناہ زیادہ ہے اور آبادی 40 گنا زیادہ ہے تاہم اتنا چھوٹا سا مسلمان علاقہ بھی اسرائیل کے لئے نا قابل برداشت ہے اور جنگ بندی کے معاہدوں کو توڑ کر یک طرفہ طور پر ہلاکتوں پر آمادہ ہے یہ صورتِ حال کسی دو طرفہ جنگ کی نہیں ہے بلکہ یہ اسرائیل کی طرف سے یک طرفہ مسلط کردہ حالت جنگ ہے جس کا حماس کی طرف سے کوئی جواب بھی آتا ہے تو وہ باقاعدہ جنگ شمار نہیں کیا جا سکتا۔

2 مسلمان ممالک کے عوام میں اس صہیونی بربریت کے خلاف غیض و غضب کے جذبات ہیں اور اس کا اظہار عوامی سطح پر جلسوں، جلوسوں اور ریلیوں کی شکل میں ہوتا رہتا ہے۔ مسلمان حکمران بالعموم امریکہ سے مرعوب ہیں اور اسی کے مراعات یافتہ ہیں اکثر مسلمان حکمران اسی کی اشیر باد سے حکمرانی کے مزے لوٹ رہے ہیں لہٰذا —— اولاً تو مسلمان حکمرانوں نے اس ISSUE پر اظہارِ خیال کو "گناہ" سمجھ رکھا ہے اور اگر چند مسلمان حکمرانوں نے اسے (زندگی میں

چند دیگر جرائم کی طرح) گناہ سمجھ کر، کر ہی لیا ہے اور اسرائیل کی مذمت کی ہے تو ایسے دبے الفاظ میں کہ مذمت محسوس ہی نہیں ہوگی بلکہ اپنے بچوں کو محبت سے کوئی چپت لگانے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ مجموعی طور پر 160 کروڑ مسلمان عوام کے 60 مسلمان حکمران امریکی اشیر باد اور سرپرستی میں خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہیں اور سرکاری طور پر اس کی شدید مذمّت یا سفارتی وتجارتی بائیکاٹ یا کوئی دھمکی آمیز بیان کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔

3 پاکستان میں عوام کی سطح پر سیاسی و مذہبی رہنماؤں نے اس صہیونی بربریتّ کی شدید الفاظ میں مذمت کی ہے اور یقیناً اسرائیلی ریاست اسی انداز کی مذمّت کی مستحق ہے تاہم ہمارے ہاں ان بیانات ،فیچرز، اداریوں اور مضامین میں اسرائیل اور غزہ کی لڑائی کی وجوہات اور تاریخی پس منظر پر کم ہی روشنی ڈالی گئی ہے جس سے ہماری نئی نسل ریاست اسرائیل کے صہیونی منصوبوں میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے ہر جائز وناجائز حربہ استعمال کرنے کے انداز کی وجوہات سمجھنے میں ناکام رہتی ہے۔ ہم آگے اس تحریر میں اسرائیل اور غزہ کی آویزش کی تاریخ اور وضاحت دے رہے ہیں تا کہ مسلمان رہنماؤں کی طرف سے غزہ کے مسلمانوں کی حمایت اور صہیونی ریاست کی مذمت کا پس منظر اور وجوہات بھی سامنے آسکیں اور ذہن نشین ہوجائیں۔ (نمبر 6)

4 صہیونی ریاست اسرائیل کے ان مظالم پر عیسائی دنیا اور بالخصوص امریکہ اور فرانس کا جہاں تک تعلق ہے وہ اس سلسلے میں مصلحتاً خاموش ہیں اور امریکہ کی طرف سے بہت دبے الفاظ میں مذمت آئی ہے تو وہ بے جان سے الفاظ کے ساتھ ہے اسی طرح UNO کا ادارہ بنا ہی عالمی تنازعات کے حل کے لئے ہے اور اسرائیل اور فلسطین اس کے معزز اراکین ہیں جبکہ اسرائیل یکطرفہ طور پر کاروائیاں کر کے UNO کے عالمی امن کے چارٹر کی دھجیاں بکھیر رہا ہے مگر UNO کا ادارہ بھی بس 'آنکھیں پھاڑ کر' دیکھنے کی بجائے کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

5 UNO جیسے عالمی ادارہ کے اس طرزِ عمل کی کئی توجیہات ہوسکتی ہیں کچھ لوگوں کی رائے میں UNO کا ادارہ اور وہ پانچ طاقتور ممالک جن کے ہاتھ میں اس ادارے کی باگ دوڑ ہے اور وہ اس ادارے کی سب سے بااختیار باڈی سلامتی کونسل کے مستقل معین ارکان ہیں اور انہیں اقوامِ متحدہ کے ممبران کے درمیان کسی جھگڑے میں رائے شماری سے کئے گئے فیصلے کو مسترد (VETO)

کرنے کا مستقل اختیار حاصل ہے۔ یہ پانچ ممالک ایسے ہیں جو مکمل طور پر اسرائیل یا عالمی یہودی مافیا (ZIONISTS) یا صیہونیت کے کنٹرول میں ہے۔ ان ممالک کی موجودہ قیادت سابقہ نصف صدی کی قیادتیں اور آئندہ آنے والی قیادتیں بشمول قانون ساز اداروں کے اہم عہدیدار سب عالمی یہودی تنظیم کے زیر بار احسان ہیں یا کھلے الفاظ میں خریدے ہوئے ہیں اور وہ اسرائیل کی ریاست کے خلاف نہ خود کوئی عمل ایسا کر سکتے ہیں اور اسرائیل کو نقصان پہنچانے والے کسی کام کی حمایت کر سکتے ہیں اور نہ ہی UNO میں بھی ایسے کسی بیان اور ایسی کسی بحث کے نتیجے میں کسی قرار داد کو پاس ہو کر قابل عمل قرار دے سکتے ہیں جس میں اسرائیل کے مفاد کی مکمل گارنٹی نہ دی گئی ہو ــــــ بصورتِ دیگر وہ اس قرارداد کو ویٹو کر کے ردّی کی ٹوکری کی زینت بنانے کے پابند ہیں۔

لٰہذا اس رائے کے حاملین کے مطابق UNO کے عالمی ادارہ کی صورت میں اسرائیل یا عالمی یہودی تنظیم گزشتہ ساٹھ سال سے پوری دنیا پر غیر مرئی (UNSEEN) حکومت کر رہے ہیں اور اپنی مرضی کے فیصلے کرا رہے ہیں۔ اسی لئے تیموریہ کی عیسائی ریاست آناً فاناً بن گئی جبکہ کشمیر کا مسئلہ گزشتہ 66 سال سے ہنوز روزِ اوّل کی کیفیت میں ہے اور اللہ کب تک اسرائیل کو سلامت رکھتا ہے، اس وقت تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو پائے گا اور اسی حالت میں رہے گا (واللہ اعلم) UNO کے نام پر اسرائیل کی عالمی حکومت کے دیگر مظاہر میں سے ایک عالمی کرنسی ڈالر ہے۔ دوسرا مظہر ایک عالمی زبان انگریزی ہے تیسرا ملٹی نیشنلز کے ذریعے اہم عالمی صنعتوں کے مالک ہیں WTO کے ذریعے عالمی تجارت پر قابض ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان حالات میں UNO کے ادارے کی طرف سے کسی قرارداد کی شکل میں یا اس کے سربراہ کی طرف سے کسی مذمّتی بیان کی صورت میں اسرائیل کی مذمت کر دینا ــــــ ایک انہونی بات ہوگی جو ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح UNO کے پانچ مستقل ارکان امریکہ، فرانس وغیرہ کی طرف سے کوئی واضح دوٹوک مذمتی بیان یا کسی راست اقدام کا تقاضا سورج کا مغرب سے نکلنے سے زیادہ حیران کن بات ہے۔

اسرائیل کے ساتھ UNO اور عالم عیسائیت اور سلامتی کونسل کے پانچ ارکان کا حالیہ رویہ دیکھ کر اُوپر درج لوگوں کی رائے بہت حد تک صائب معلوم ہوتی ہے اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہ رائے دوسری تمام توجیہات سے زیادہ مدلّل اور وزنی رائے ہے۔

6 اسرائیل اور غزہ

چند تاریخی حقائق یہ ہیں:

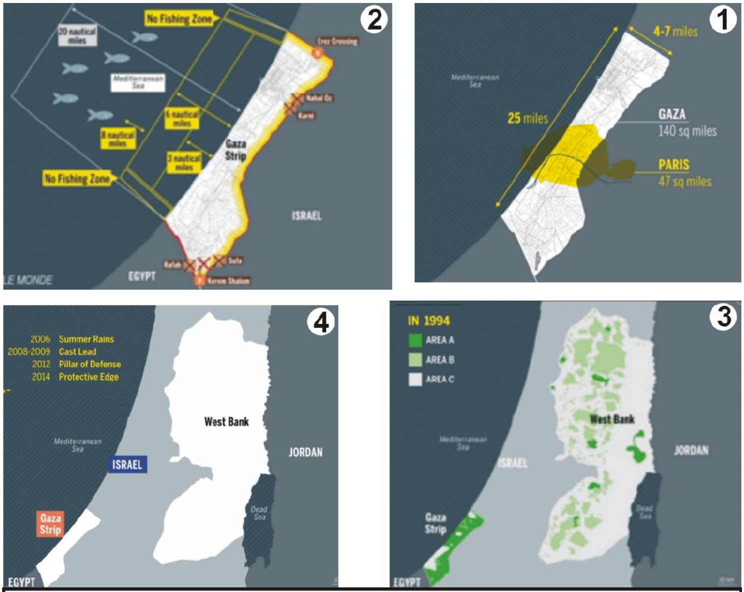

اسرائیل غزہ کی پٹی اور مغربی کنارہ کا نقشہ

☆ فلسطین کا کل رقبہ 2400 مربع میل ہے جس میں 81 مربع بحر مردار (DEAD SEA) کا ہے 2100 مربع میل مغربی کنارہ کا علاقہ ہے۔

☆ غزہ کی پٹی 4 سے 7 میل چوڑی اور 25 میل لمبا ساحلی علاقہ ہے اس میں غزہ کا علاقہ 140 مربع میل ہے۔

☆ اس علاقے کی آبادی 18 لاکھ افراد ہیں۔ جس میں 2/3 مہاجرین ہیں جو مختلف اسرائیلی مقبوضات سے مظالم کی وجہ سے یہاں آکر آباد ہوئے ہیں۔

☆ 1967ء سے یہ علاقہ UNO کے زیر انتظام رہا ہے۔

☆ 1994ء سے یہاں فلسطینی حکومت ہے۔

☆ 2006ء سے ـــــ فلسطینی ریاست کی پارلیمنٹ کی 132 سیٹیں ہیں۔

☆ 76 حماس کے پاس ہیں 43 الفتح کے پاس ہیں 13 متفرق ہیں۔

☆ 2006ء سے غزہ کی پٹی حماس کی حکومت کی وجہ سے اپنے جائز حقوق سے بھی محروم ہے

اور دن بدن اس میں اس کی محرومی میں اضافہ ہو رہا ہے۔(آمدنی، مرکزی ٹیکسوں میں حصہ وغیرہ) اور اس کی معاشی ناکہ بندی سخت سے سخت ہوتی جا رہی ہے۔

☆ غزہ کی پٹی کے لئے درآمدی سامان کے راستے بھی بند ہیں ایک راستہ اسرائیل کی طرف ہے جس میں مشکلات رہتی ہیں اور صرف مصر اور اُردن کی طرف ایک ہی راستہ کھلا ہے۔ سمندری ساحل کی وجہ سے یہاں کے باشندوں کا آبائی پیشہ مچھلیاں پکڑنا تھا جس پر روز بروز پابندی سخت کی جا رہی ہے۔ اقوامِ متحدہ کی رپورٹ کے مطابق مچھلیاں پکڑنے کا یہ علاقہ کم از کم ساحل سے 20 کلومیٹر ہونا چاہئے جبکہ اسرائیل نے اس کو کم کر کے پہلے 12 کلومیٹر کیا پھر 6 کر دیا اور اب بعض جگہوں پر صرف 3 کلومیٹر ہے جہاں ساحل سمندر پر مچھلی نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ اس سے باہر غزہ کے لوگوں پر مچھلیاں پکڑنے پر پابندی ہے۔ اس سے اس علاقے کے لوگوں کا معاشی قتل بھی جاری ہے۔

7 اسرائیل اور فلسطین کے تعلقات میں اسرائیل کے جرائم اور سفاکانہ و جارحانہ روّیہ سخت گھناؤنا ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا واضح ہے کہ اب بعض مغربی ممالک بالخصوص امریکہ میں بھی دبی آوازوں میں اسرائیل کی مالی امداد میں کٹوتی کی آواز آنا شروع ہوگئی ہیں۔ امریکہ (اور اقوامِ متحدہ کے دیگر چار مستقل ارکان) جس طرح اسرائیل کی سرپرستی بلکہ چاکری کرتے ہیں وہ باتیں اب ان ممالک کے عوام کو بھی سمجھ آنا شروع ہوگئی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی عیسائی آبادی میں یہ بحث چل پڑی ہے اور اس پر باقاعدگی سے مذہبی اجتماعات میں لیکچر دیئے جا رہے ہیں کہ امریکی حکومت جب تک اسرائیل کی غیر مشروط سرپرستی کرتی رہے گی اس ملک کو آسمانی بادشاہ کی تائید و حمایت حاصل رہے گی اور ملک ترقی کرے گا اور اگر ــــــ بالفرض امریکہ نے اسرائیل کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا تو اس ملک پر آسمانی بادشاہ ناراض ہو جائے گا اور اس کی ناراضگی کے سبب عذاب آ جائے گا، ترقی رُک جائے گی، ملکی پیداوار کم ہو جائے گی، قحط پڑ جائے گا، بے روزگاری بڑھ جائے گی، خانہ جنگی شروع ہو جائے گی امریکی وقار اور عزت خاک میں مل جائے گا۔

اس سارے قضیئے کے لئے باقاعدہ بائبل سے حوالوں کے ساتھ مدلّل موقف بیان کیا جا

رہا ہے۔امریکہ کے ارادوں کا تو وہاں کے پریس اور میڈیا میں اتنا تذکرہ نہیں ہے مگر امریکہ میں بسنے والے عیسائی اور باہر کی دنیا کے عیسائی زعماء کی بے چینی اور ان موضوعات پر عوام کی رہنمائی اور ذہن سازی سے یہ بات عیاں ہے کہ امریکہ اب اپنے عوام کو ناراض کر کے اسرائیل کی ننگی بربریت کی مزید غیر مشروط حمایت سے گریزاں ہے اور اس کا اصل سبب وہاں امریکہ جیسی عظیم عالمی قوت کی معاشی صورتِ حال کا دن بدن رو بہ زوال ہونا ہے جس کا منطقی نتیجہ وہی ہے جو وہاں کے عیسائی دنیا کے سرگرم افراد کی زبان پر آ رہا ہے اور پھر ـــــ امریکہ کے معاشی زوال کا نتیجہ سیاسی زوال کی صورت میں نکلے گا اور امریکہ اس زوال کا سبب دراصل اسرائیلی صہیونی ریاست کی جائز و ناجائز بات کی غیر مشروط حمایت کی طویل پالیسی بنے گی کاش امریکی حکومت اپنے عوام کے ٹیکسوں کی رقوم کو اپنے عوام کی بجائے اسرائیلی صہیونی ایجنڈے کی تکمیل اسرائیلی حکومت کی شاہ خرچیوں پر نہ لٹائے تا کہ اس کے ملک کے اپنے ٹیکس دینے والے عوام خوشحالی کے دن دوبارہ دیکھ سکیں اور بے روزگاری کا بھی خاتمہ ہو سکے۔

ہماری آرزو ہے کہ دنیا جلد از جلد صہیونی گرفت سے آزاد ہو کر ایک عادلانہ منصفانہ معاشی نظام کی طرف آ جائے جس میں عدل کے ساتھ مساواتِ انسانی اور احترامِ انسانیت کا بھی درس موجود ہے یہ باتیں اب ترقی پذیر ممالک کے دانشور حضرات کے ہاں زیر بحث ہیں۔اللہ کرے کہ ہم مسلمان انسانیت کے لئے آنے والے اس کڑے وقت میں آسمانی ہدایت کا منبع و سرچشمہ قرآنِ مجید کے ذریعے حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی سماجی معاشی اور سیاسی تعلیمات عام کر کے،اس طرف لوگوں کو متوجہ کر سکیں اور اسی طرح پہلے عملی قدم کے طور پر پاکستان میں بانیانِ پاکستان کے فرامین اور مسلمانانِ جنوبی ایشیا کی خواہش اور ہماری دینی ذمہ داریوں کے تقاضے کے طور پر اسلام کے عملی نفاذ کا اعلان کر کے اسلام کے عادلانہ نظام کا ایک نمونہ بنا کر دنیا کو دکھا سکیں۔آمین

پاکستان کے حالات پر گفتگو ان شاء اللہ
آئندہ شمارے میں شامل ہوگی۔(ادارہ)

جلتا ہوا غزہ

اور خاموش او(ہ). آئی. سی !!

(ORGANISATION OF ISLAMIC COUNTRIES)

عبدالرشید ارشد

غزہ آج سے آگ وخون کی ہولی کی زد میں نہیں ہے۔اس آگ کے بھڑکانے میں ملت مسلمہ کی او آئی سی یا دوسرے لفظوں میں !Oh! I see کی بے حسی و بے حمیّتی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اِس او آئی سی کو بڑی محنت اور حکمت کے ساتھ یہود نے امریکہ کے ذریعے بے حمیت !Oh! I see بنایا ہے۔امریکہ آج ملت مسلمہ کا سب سے بڑا دوست وغمخوار بنتا ہے۔کم وبیش ہر مسلمان حکمران امریکہ کی سرپرستی پر نازاں ہے اور اگر کسی جگہ وہ بپھرے ریچھ کی طرح پنجہ مارتا بھی ہے تو اُسے 'مادرِ مہربان' کی سرزنش کی طرح ''پی'' لیا جاتا ہے۔

عراق ہو یا شام، لیبیا ہو یا مصر اور افغانستان کہاں کہاں ''دوستی و سرپرستی'' کے بداثرات نے خون کی ہولی نہیں کھیلی، مگر سعودی عرب ہو یا ترکی اور پاکستان سب ہر لمحہ اسی کی دوستی پر نازاں وفرحاں ہیں۔اسی دوست نے اپنے چالیس بیالیس دوستوں (نیٹو) کے ساتھ مل کر جب امارات اسلامی افغانستان پر یلغار کی تو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خودساختہ صدر نے امریکہ کو دل و جان سے سرپرست اعلیٰ تسلیم کرتے اپنے ہوائی اڈے نذر کیے۔مسلمان بھائیوں کی تباہی کے لئے اپنی سرزمین سے ہر طرح کی باسہولت راہداری ''عطا فرمائی''۔پرویز مشرف کی اس مسلم کش فیاضی پر کسی مسلم ملک خصوصاً سعودی عرب یا مسلم ممالک کی او آئی سی کو تشویش نہ ہوئی۔ افغانستان جلتا رہا، عورتوں، بچوں، بوڑھوں کے چیتھڑے بارود میں لتھڑے فضاؤں میں اُڑتے خاک میں ملتے رہے اور !Oh! I see خوابِ خرگوش کے مزے لیتی رہی۔او آئی سی کو امریکی

یورپی سرپرستی کے نشہ نے گہری نیند سلا دیا کہ اَب کروٹ لینے کے آثار بھی بظاہر نظر نہیں آتے۔

فلسطین، اسرائیل کے جنم دن سے ہی مسائل کا شکار ہے۔ یو این او جس کی تخلیق ہی یہود کی منصوبہ بندی کے مطابق ہوئی تھی اس کی ''اولاد'' بصورت سکیورٹی کونسل عالمی مسائل کو یہود کے حق میں کنٹرول کیے رکھنے کے لئے تشکیل کی گئی تھی۔

جنرل البرٹ پائک نے 1859ء سے 1871ء تک مسلسل 11 سال تنہائی میں بیٹھ کر جن تین بڑے عالمی انقلابات اور تین بڑی عالمی جنگوں کی منصوبہ بندی کی تھی اس میں دوسری عالمی جنگ سے متعلق یہ طے تھا کہ:

ا) دوسری عالمی جنگ ہوگی جس میں برطانیہ لازماً حصہ لے گا۔

ب) ترکی کو ہر حال میں برطانیہ کے خلاف صف آرا کر کے شکست سے دوچار کیا جائے گا۔

ج) برطانوی سرپرستی میں ارضِ فلسطین میں یہودی ریاست بصورت اسرائیل قائم کی جائے گی۔

د) لیگ آف نیشنز قائم کی جائے گی جو بعد میں یو این او کہلائے گی۔

یہی UNO فی الواقعہ یہود کی لونڈی ثابت ہوئی جو بعد میں یو این او کہلائے گی۔

اُن کے اپنوں کی گواہی ملاحظہ فرمائیں:

"THE UNITED NATIONS IS A 'TROJAN HORSE' OF THE INTERNATIONAL CONSPIRACY OF THE "WORLD REVO LUTIONARY MOVEMENT" (WRM)." ("POWNS IN THE GAME," WILLIAM GUYCARR - PAGE 780)

UNO اور اس کی سکیورٹی کونسل کا ''تاریخ ساز کردار'' کسی بھی ذی شعور کی نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔ جہاں کہیں اور جب بھی ملت کفر کے ''حقوق'' کا مسئلہ سامنے آیا سیکورٹی کونسل کی نیندیں حرام ہو گئیں مثلاً مسیحی مشرقی تیمور کی خودمختاری کا مسئلہ ہو یا جنوبی سوڈان کی مسیحی برادری کے ''حقوق'' کو پامالی سے بچانے کی ضرورت ہو سیکورٹی کونسل فوراً حرکت میں آئی اور مسیحی برداری کے حقوق پامالی سے محفوظ ہو گئے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان نے اپنے کشمیری بھائیوں کے حقوق کو تحفظ دلانے کے لیے

1948ء میں یواین اواوراس کی سیکورٹی کونسل کا دروازہ کھٹکھٹایا۔آزادی کشمیر کے لئے قرارداد بھی ہوگئی مگر عمل کے لئے حرکت میں آنا اس کے لئے مشکل ہوگیا کہ مسئلہ مسلمانوں کے حقوق کا تھا۔ فلسطینی مسلمان تخلیق اسرائیل کے ساتھ ہی آزمائش کا شکار ہوگئے۔ ہر دن اُن کا بہتا خون یواین او اوراس کی سیکورٹی کونسل کو انصاف کے تقاضے پورے کرنے پر آمادہ نہ کرسکا۔آج بھی اجلاس ہورہے ہیں مگر عمل نہ دارد۔

عراق وافغانستان ہوں یا لیبیا ومصر میں امریکی یورپی کھلی مداخلت اور جارحیت ہو یواین اواوراس کی سکیورٹی کونسل کی آنکھیں مسلسل بند ہیں اور یہ صرف اس لئے بھی کہ ان بند آنکھوں کو کھلوا کر مسلم ممالک میں جاری خون ریزی دکھانے والی ملت مسلمہ کی نمائندہ تنظیم اوآئی سی عملاً اوہ! آئی سی!! بن چکی ہے۔ملت مسلمہ کو بڑی حکمت سے بڑی طاقتوں کی گود میں بٹھایا گیا کہ آج کوئی امریکہ کی وجہ سے خاموش ہے تو کوئی برطانوی، روسی گود میں میٹھی نیند کے مزے لے رہا ہے۔فلسطین جل رہا ہے،شام وعراق برباد ہیں، لیبیا ومصر کا حال سب سے سامنے ہے۔ یہ سب کچھ اتفاقاً نہیں ہے۔ یہ سب کچھ گہری منصوبہ بندی کا حصہ ہے۔

یہود کا فلسفہ ہے کہ ہماری عالمی اقتدار کی منزل کیلئے تیسری عالمگیر جنگ ناگزیر ہے اِس انتہائی ہولناک جنگ کے نتیجے میں وہ منزل پالیں گے۔ یہ ہماری رائے نہیں بلکہ انہی کی زبانی سنیے:

☆ ’’اس وقت ہمارے سامنے انتہائی اہم کام سست رو امریکی عوام میں فوجی جنون کو بھڑکانا ہے............‘‘

☆ ’’پانچ سال کے اندر اندر ہمارا تیسری جنگ عظیم کا پروگرام برگ وبار لے آئے گا جس کی تباہی ماضی کی ہر تباہی کو ڈھانپ لے گی۔ اسرائیل اس جنگ میں بہرحال غیر جانبدار رہے گا اور تباہ حال فریقین جب تھک ہار جائیں گے تو ہم مصالحت کنندہ کا کردار ادا کرنے کے لئے آگے آئیں گے............‘‘

☆ ’’آپ کو قائل کرنے کی خاطر یہ کہوں گا کہ ہم نے اپنے عالمی اقتدار کی منزل پانے کے لئے بطور ہتھیار گوروں کی تمام ایجادات کا رُخ کالوں کی طرف پھیر دیا ہے۔ ذرائع ابلاغ ہمارے منصوبوں کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں............‘‘

(PAWN'S IN THE GAME, PAGE 108)

تیسری عالمگیر جنگ کو قریب سے قریب تر لانے کے لئے کوشاں یہود کی محنت کا اور بتدریج تاخیر کا احوال خود انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے، 12رجنوری 1952ء کو بوڈاپسٹ میں منعقدہ عالمی یہودی کانفرنس میں یہودی رِبی ایمانول رابن وچ نے اپنے خطاب میں وضاحت کی:

- ''مبارک ہو میرے بچو! آپ کو یہاں بلانے کا مقصد اپنے نئے پروگرام کے اہم نقاط کا اعادہ کرنا ہے جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں' ہمارا خیال تھا کہ دوسری اور تیسری جنگوں کے درمیان کم و بیش 20 سال کے اندر ہم دوسری عالمگیر جنگ کے ثمرات سمیٹ لیں گے مگر ہمارے اراکین کی بڑھتی ہوئی تعداد اور مسائل کے پھیلاؤ نے اِسے ممکن نہ رہنے دیا۔ اب ہمیں زیادہ شدومد کے ساتھ مقاصد کے حصول کی خاطر محنت کرنا ہے تاکہ آئندہ 5 سال میں تیسری عالمگیر جنگ ممکن ہو سکے۔ پانچ سال کے عرصہ میں ہم اپنے مقاصد حاصل کرلیں گے کہ ہمارا پروگرام ہی ایسا ہے جس سے تیسری عالمی جنگ تباہی و بربادی کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دے گی............''

(PAWN'S IN THE GAME, PAGE 106)

- تیسری عالمگیر جنگ کا خمیر ہمارے ایلیومینیٹی کے ایجنٹ (موجودہ امریکہ و برطانیہ) صہیونیت اور مسلم دنیا کے مابین اختلافات کو ہوا دے کر اُٹھائیں گے۔(ص xv)

یہود اس بات پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ وقوعہ جس قدر بڑا مطلوب ہو اسی قدر بڑا بہانہ بھی درکار رہے۔

- ''ہمارے سامنے لوئیس مارشل کا نظریہ ہے کہ ''صہیونیت کے منصوبے کی تکمیل کے لئے ایک وقوعہ مطلوب ہوتا ہے۔ یہ 'وقوعہ' انتہائی مؤثر ہتھیار لٹکانے والا کھونٹا ہے۔''

(PAWN'S IN THE GAME, PAGE 88)

مذکورہ صہیونی فلسفہ کی حقیقت تک رسائی ہر کسی کی آنکھ نے دیکھی۔ ہادئ برحق نبی مکرم ﷺ نے ارضِ فلسطین میں شام کی سرحد کے ساتھ انتہائی خونریز جنگ کی پیش گوئی فرمائی، یہ جنگ الملحمۃ الکبریٰ ہوگی اور اس جنگ میں خراسان سے سیاہ پگڑیوں، سیاہ جھنڈوں والے

اسلام کی نصرت کے لیے لپکیں گے۔ یہود نے یہ جانتے کہ خراسان دراصل افغانستان ہے اور سیاہ پگڑیوں اور سیاہ جھنڈوں والے طالبان ہیں ان کو ملحمۃ الکبریٰ یا جنگ ہرمجدون یا تیسری عالمگیر جنگ سے باز رکھنے کی خاطر امریکہ و نیٹو کو حرکت میں لانے کی منصوبہ بندی کرتے 11 ستمبر 2001ء کو نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کا ڈرامہ رچایا اور امریکہ کو مشتعل کر کے افغانستان پر یلغار کا ''معقول ترین بہانہ'' بنایا۔ پھر لندن ٹیوب دھماکہ کا دوسرا ڈرامہ رچایا تو برطانوی حکومت جو پہلے ہی یہود کی سرپرست اعلیٰ ہے کو مشتعل کر کے امریکہ کے پہلو میں لا کھڑا کیا۔ یوں خراسان سے اسلام کی نصرت کے لئے جانے والوں کا راستہ روکنے کی عملاً کوشش کی گئی۔

یہود جس طرح صبح شام دہشت و وحشت کا بازار گرم رکھ کر تیسری عالمگیر جنگ کو اپنی 1871ء کی منصوبہ بندی کے مطابق قریب سے قریب تر لا رہے ہیں اس کی پیش گوئی رسالت مآب ﷺ نے ساڑھے چودہ سو سال قبل فرمائی تو آپ ﷺ کے ایک محبّ نعمت شاہ ولی نے 547ھ میں یعنی آج سے 888 سال قبل یہ فرمایا تھا کہ یہ جنگ دنیا کے بیشتر بڑے ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور چھ سال تک لڑی جائے گی اس میں بے دریغ ایٹمی اسلحہ استعمال ہوگا۔ کئی ملک صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے۔

اُوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ تیسری عالمی جنگ کا خمیر ایلیومینیٹی کے ایجنٹ اُٹھائیں گے یہ ایجنٹ امریکہ و برطانیہ ہیں۔ اَب آپ ذرا غور فرمائیں تو اسرائیل کے تمام مسلم ممالک میں پچھلی دو دہائیوں سے امریکہ و برطانیہ نے بالخصوص اور نیٹو حواریوں نے بالعموم جو کارروائیاں شروع کر رکھی ہیں وہ کس کی نظر سے اوجھل ہیں۔ لبنان کی حزبُ اللہ کو اسرائیل نے انگیخت کیا، عراق پر تباہی مچانے والے ہتھیاروں کا الزام لگا کر دہشت گردانہ یلغار کی انتہا کی، عراقی صدر کو تختہ دار پر لٹکایا۔ یہ آگ آج بھی شدت سے بھڑک رہی ہے۔

افغانستان پر یلغار کے لئے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا بہانہ تراشا گیا۔ القاعدہ اور طالبان حملے کے لئے ذمہ دار قرار پائے اور بش نے کروسیڈ شروع کی جہاں ایک تیر سے دو شکار پیش نظر تھے یعنی افغان اسلامی ریاست اور پاکستان کی محبّ وطن فوج سے محبّ وطن قبائل کی تباہی۔ عسکری اور معاشی وسائل کی تباہی کے ساتھ ساتھ قبائل میں نفرت کے الاؤ بھڑکانا مقصود ہے۔ مصر میں اخوان المسلمون دینی حمیت و غیرت کی حامل مسلّمہ منظّم قوت تھی اس پر مسلمان کہلوانے والوں سے ہی

کاری ضرب لگوائی گئی۔ یہاں تک کہ خادمین حرمین وشریفین کہلوانے والوں نے بھی سچے کھرے غیرت مند مسلمانوں کو نہ صرف دہشت گرد قرار دیتے امریکی بیانات واقدامات کی تائید کی بلکہ سعودیہ میں مقیم بعض اخوان راہنماؤں کو گرفتار کرلیا یوں خدمت اسلام نبھائی۔

مسلمان بے عمل ہے مگر بے ایمان نہیں جس کا ثبوت تاریخ کے اوراق دے رہے ہیں کہ جب کبھی اسلام پر بھاری وقت آیا مشرق ومغرب کے مسلمان اسلامی غیرت کا سرمایہ لئے میدان میں لپکے اس کا سب سے بڑا ثبوت روسی یلغار کے موقع پر مختلف ممالک سے آنے والے مجاہدین کے غول تھے۔ خطرہ تھا کہ لیبیا سے، یمن سے، لوگ فلسطینیوں کی مدد کو آسکتے ہیں لہٰذا وہاں ایسا فتنہ انگیخت کر دیا جائے کہ وہ اپنی ہی آگ میں جلتے رہیں۔ وہ آج عراق وشام اور پاکستان کی طرح، مصر کی طرح، جل رہے ہیں اور امریکی سرپرستی میں یہود مکمل آزادی کے ساتھ فلسطینیوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں۔ کوئی رکاوٹ نہیں جس کے سبب صہیونیت بتدریج اپنے اصلی ہدف جنگ ہرمجدون یا تیسری عالمگیر جنگ یا الملحمة الکبریٰ کی طرف پیش قدمی کر رہی ہے۔

> ''اپنے ہمسایہ ممالک کی طرف سے کسی ممکنہ جارحیت کے خلاف مؤثر دفاع کی صلاحیت ہمارے اندر ہونی چاہئے۔ اگر ہمارے اِردگرد بسنے والے باہم اشتراک سے ہم پر حملہ کریں تو ہمیں اس مقصد کے لئے اِسے عالمی جنگ کا رُخ دینا پڑے گا۔'' (PROTOCOLS: 7/3)

مذکورہ تفصیل کو سامنے رکھیں اور گزرتے حالات کا جائزہ رسول اکرم ﷺ کے فرامین کی روشنی میں لیں تو دنیا بڑی تیزی کے ساتھ الملحمة الکبریٰ اور غزوۂ ہند کی جانب بڑھ رہی ہے۔ یہ تباہ کن جنگ پانچ چھ سال میں لاکھوں لوگوں کو زندگی کے بوجھ سے آزاد کرے گی تو بے شمار ملک بھی شاید عالمی نقشہ پر اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکیں گے۔ پھر شاید ظہورِ مہدی اور ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دونوں کے مابین ظہورِ دجال ہوگا۔ قتل دجال کے بعد عالمی یہودی حکومت تو نہ بن پائے گی مگر خالصتاً اسلامی ریاست وجود میں آئے گی جو قیامت سے قبل چالیس سال تک قائم رہے گی جس کے بعد مکہ مکرمہ میں کوہِ صفا سے دابۃ الارض نکلے گا۔ انسانوں سے اُن کی زبان میں باتیں کرے گا اور پھر قیامت ہوگی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آزاد وطن پاکستان کے آزاد لوگ......کڑوا سچ

ابوفیصل محمد منظور انور

جھنگ

27 رمضان المبارک 1366ھ ، 14 اگست 1947ء کے دن مملکت خدا داد پاکستان آزاد ہو کر معرضِ وجود میں آئی۔ ہر سال یوم آزادی بڑی شان وشوکت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔کلمہ طیبہ اور اسلام کے نفاذ کے نام پر حاصل کیے جانے والے ملک خداداد پاکستان کی آزادی کے حصول میں لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ لاکھوں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں نے اپنی عزتوں اور عصمتوں کی قربانیاں دیں اور لاکھوں مہاجرین نے اپنے گھربار کو اس لئے چھوڑا کہ اسلام کے نام پر بننے والے نئے خطے میں قرآنی احکامات کے تحت وہ اسلامی طرزِ حیات اختیار کر کے اپنی زندگیاں گزاریں گے۔مگر افسوس صد افسوس کہ ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور ان کی خواہش ابھی تک تشنہ تکمیل ہے۔ بدقسمتی سے ہم نے حصول آزادی کے نصب العین کو بھول کر تمام قربانیوں کو فراموش کر دیا اور اس نعمت لازوال کو پانے کے لیے دی گئی تمام قربانیوں کو یکسر بھلا دیا ملک میں نفاذِ اسلام سے دانستہ پہلوتہی کرنے کے باعث ہم یہ دن دیکھنے پر مجبور ہیں کہ عملی طور پر ہم ایک بار پھر آزادی کھو چکے ہیں پاکستانی سیاستدان وحکمران گزشتہ 67 سالوں سے آزاد ہیں کبھی وہ اسلام کے نام پر اور کبھی ملک وقوم کے مفاد میں اپنے دور اقتدار کو طول دینے کی کوشش کرتے ہیں انتخابات کے موقعوں پر جھوٹے نعرے لگانے میں آزاد ہیں۔عوام کو غربت کے گڑھے سے نکالنے اور وطن کو ترقی یافتہ ملک بنانے کی باتیں کرتے ہیں مگر جھوٹ بولنے میں آزاد ہیں۔مملکت کے چاروں ستون حکمرانوں کی جی حضوری کے لیے آزاد ہیں مقنّنہ

حکمرانوں کی منشا کے مطابق قانون سازی کرنے میں آزاد ہے انتظامیہ کی آزادی اتنی واضح ہے کی ہرشہری روزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور کانوں سے سنتا ہے افسران اختیارات کے ناجائز استعمال میں آزاد ہیں قانون شکن مجرموں کو عزت اور وقار سے تھانوں، کچہریوں، سرکاری دفاتر یہاں تک کہ جیلوں میں بھی عزت کے ساتھ بٹھانے میں آزاد ہیں اور سرکاری وسائل کی لوٹ مار کے علاوہ عوام کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنے میں آزاد ہیں سرکاری افسران کی بیگمات اور بچے سرکاری گاڑیاں، ٹیلیفون اور سرکاری بجلی و دیگر وسائل کو بڑی دیدہ دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ استعمال کرنے جبکہ ان کے خاندان رشوت کے پیسوں سے لمبی جائیدادیں بنانے میں آزاد ہیں۔ سیاست دان آزاد ہیں کہ وہ آئین کی دفعات 62، 63 پر پورانہ اترنے جعلی ڈگریوں اور اربوں کی لوٹ مار کے باوجود اقتدار کے مزے لوٹیں اور مختلف گروپ بنا کر حکومتوں کو گرانے اور بنانے میں اپنا استحقاق آزادی سے استعمال کریں۔ اپنی نااہلی، کم علمی کے باوجود اقتدار اور ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر بار بار پارٹیاں بدل کر وزارت، مشاورت اور دیگر اعلیٰ عہدے طلب کرنے میں آزاد ہیں۔ کل جعلی ڈگریوں کے حامل گریجویٹ سیاست دان عوام کے مستقبل کے فیصلے کرنے میں آزاد تھے اور آج وہی جعل ساز اور انگوٹھا چھاپ اسمبلیاں 18 کروڑ عوام کے مستقبل کے فیصلے کرنے میں آزاد ہیں۔ سرکاری فنڈز کے حصول، سرکاری ملازمتوں کی بندر بانٹ، اپنے اپنے علاقوں میں ریاست کے اندر ریاست بنا کر اپنی حکومت کرنے میں آزاد ہیں۔ صبح شام پارٹیاں بدلنے، پلاٹ لینے، مفادات لینے سفارشات کے عوض رشوت لینے، اپنے چمچوں اور ٹاؤٹوں کے ذریعے مال پانی اکٹھا کر کے لوٹے بننے والے آزاد ہیں۔ قومی اسمبلی وصوبائی اسمبلیوں کے اراکین اور اعلیٰ عہدیداران، سیاستدان، ملک وملت اور عوام کے مفادات اور منشا کے برخلاف معاہدے کرنے اور فیصلے کرنے میں آزاد ہیں۔ صنعتکار، سرمایہ دار، زمیندار کروڑوں روپے کے قرضے لے کر صنعتیں لگانے کی بجائے ملکی دولت غیرممالک میں چھپانے میں آزاد ہیں۔ اربوں روپے کے نادہندگان نیب کو مطلوب ہونے کے باوجود اقتدار کے مزے لوٹنے، دھڑلے کے ساتھ اخباری بیانات دینے اور عوام کو بیوقوف بنانے میں آزاد ہیں۔ یہاں تک کہ این آر او جیسا بدنام زمانہ سمجھوتہ قانون بنا کر غریب قوم کے لوٹے گئے کھربوں روپے معاف کرنے میں آزاد ہیں قرضہ خور کھربوں روپے کی

لوٹ مار کرنے کے باوجود معزز شہری کہلوانے میں آزاد ہیں جبکہ حکومتی عہدیداران لٹیروں کو معافیاں دینے میں آزاد ہیں آمریت نواز اور جمہوریت نواز دونوں مل کر انصاف کو بر سر عام نیلام کرنے میں آزاد ہیں بھلا ہو عدلیہ کا جو کچھ عرصہ کے لیے آزاد ہو کر آزادی کے ساتھ فیصلے کرتی رہی ہے اللہ کرے کہ یہ آزادی کا موسم سدا بہار رہے کہیں اس کو نظر نہ لگ جائے۔ طلبہ حصولِ علم پر توجہ مرکوز کرنے کی بجائے سیاستدانوں اور جرائم پیشہ عناصر کے ہاتھوں کھلونا بننے میں آزاد ہیں۔ نئی نسل کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے اعلیٰ تعلیم یافتہ قوم کے مسیحا و ذمہ دار ماہرین تعلیم علم پھیلانے و تجربات سے نونہالان چمن کو مستفیض کرنے کی بجائے انتظامی عہدوں پر فائز رہنے کو ترجیح دینے میں آزاد ہیں۔ ڈاکٹر ہسپتالوں کی بجائے اپنے گھروں یا پرائیویٹ ہسپتالوں میں مریضوں کو دیکھنے میں آزاد ہیں۔ تاجر دو نمبر مال فروخت کرنے، ناجائز منافع خوری کرنے، ملاوٹ کرنے، ذخیرہ اندوزی کرنے اور من مرضی کی قیمتیں وصول کرنے میں آزاد ہیں۔ صحافت آزاد ہے کہ بچھو کو سانپ بنا دیں، جس کسی کی بھی پگڑی اچھالنا چاہیں اچھال دیں، صحافت آزادی کے نام پر اخلاقی قدروں کی پامالی، معاشرے میں عریانیت اور بے راہ روی کو رواج دینے میں آزاد ہیں۔ عوام آزاد ہیں غیر ملکی ثقافت کو اپنائیں۔ مذہبی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی بجائے ہنود و یہود اور مغربی دنیا کی گندی زنگ آلود ثقافت کی تقلید میں سرگرداں رہیں اور اس کو اپنانے پر فخر محسوس کریں۔ روشن خیالی کے نام پر ننگ دین اور ننگ وطن عورتیں اپنی انجمنیں بنا کر معاشرتی اخلاقیات اور تقاضوں کا جنازہ نکالنے میں آزاد ہیں۔ غریب اور کم وسیلہ لوگ تعلیم حاصل کرنے کی بجائے جاہل ہی رہنے، دین اور دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کی بجائے لکیر کے فقیر رہنے میں آزاد ہیں۔ مغربی تقلید میں اپنا اسلامی اور ملکی تشخص ختم کرنے میں عوام پوری طرح آزاد ہیں۔ پاکستانی پولیس آزاد ہے کہ وہ ہاتھی کو چوہا ثابت کر دے مجرموں کو پورا پورا تحفظ فراہم کرے۔ آزاد مملکت میں رہنے والے علاقائی تنظیموں اور جماعتوں کے رہنما و عوام ملکی سالمیت کو ختم کرنے کے نعرے لگانے والے حکومتوں کو بلیک میل کرنے میں آزاد ہیں کم علم مولوی اسلام کے نام پر ملک و ملت کا شیرازہ بکھیرنے والے عناصر کے حق میں فتویٰ دینے میں آزاد ہیں۔ آزادی کے 67 سال مکمل ہونے پر آزاد مملکت کے آزاد لوگوں کو لاکھوں شہداء کی روحیں آزادی کا مطلب سمجھانے کے لیے پکار رہی ہیں بھارت

میں 67 سال قبل رہ جانیوالی لاکھوں بہنیں اور بیٹیاں پاکستان کے آزاد لوگوں کی آزادی دیکھ کر اپنی آزادی کے خواب چکنا چور ہوتے دیکھ رہی ہیں۔

کیا اسی لیے ہم نے ملک خداداد حاصل کیا تھا آزاد وطن کے آزاد لوگو! ذرا سوچو؟۔۔ اور آزادی کی قدر و قیمت کو پہچانو، ایسا تو نہیں کہ اغیار کی سازشوں کے نتیجے میں یہ آزاد لوگ ایک بار پھر غلامی کی زنجیروں میں جکڑے جا چکے ہیں اربوں کھربوں کے قرضوں میں جکڑی قوم اپنے نصب العین کے حصول کی بجائے نامعلوم اندھیری راہوں کی طرف گامزن ہے

اتنی زیادہ آزادی کے باعث پوری قوم۔۔آزادی کا اصل مطلب کھو چکی ہے۔ یہ کڑوا سچ ہے کہ ہم غلامی کی تاریک راہوں پر چل کر اپنے آپ کو، اپنے نصب العین کو بھول چکے ہیں۔ اغیار کی اندھی تقلید نے ہمارا نصب العین، ہمارے نظریات تک ہم سے چھین لیے ہیں۔کیبل مافیا نے اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا ہے اور نوجوان نسل کو گمراہ کرنے کی سازش کامیاب ہو چکی ہے۔ اقبال کا شاہین صفت نوجوان مغربی اور ہندی تہذیب کا رسیا بن کر اپنی شناخت تک بھول چکا ہے۔ گزشتہ 67 سالوں سے عیدیں منا رہے ہیں۔رمضان المبارک کا مقدس مہینہ اور عیدالاضحیٰ اور محرم الحرام جس ایثار اور قربانی کے جذبے کا درس دیتا ہے ان نیک جذبات سے عاری قوم نمائشی افطاریوں،قربانیوں اور عید کی خریداری پر لاکھوں کروڑوں روپے اڑا دیتی ہے۔ جبکہ غریب اور مفلوک الحال آج بھی فاقہ کشی کا شکار ہے پاکستان کی فوج حالت جنگ میں ہے،فلسطین، شام، عراق، افغانستان، مصر، لیبیا، برما، کشمیر اور پاکستان سمیت دیگر کئی مسلمان ممالک کی عوام پر جارحانہ انداز میں ظلم و بربریت کے پہاڑ ڈھائے جا رہے ہیں۔انہیں بڑے ظالمانہ طریقے اور بے دردی کے ساتھ قتل کیا جا رہا ہے۔اُمت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے جس کے کسی ایک حصے کو تکلیف نہیں بلکہ پورا جسم چھلنی کر دیا گیا ہے مگر افسوس صد افسوس کہ بے حسی کی انتہا ہے اور زخمی اعضا سے بہنے والے خون تک کا احساس نہیں۔اس سال آزادی کا دن منانے کے موقع پر پوری قوم انتشار کا شکار نظر آتی ہے حکمران اور حزب مخالف کے سیاست دان ہوس اقتدار میں اندھے ہو کر ملکی وحدت اور یک جہتی کو پارہ پارہ کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ ان حالات میں 14 اگست 2104ء کو کیسے الوداع اور نئے سال کا کیسے استقبال کروں؟ اللہ کرے نیا سال میرے

ملک کو بے مقصد جنگ سے بچائے تا کہ یہ آزاد انسانوں کی بجائے ایک صحیح اسلامی نظریاتی اور فلاحی مملکت کے ذمہ دار شہری بن کر اقوام عالم میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں۔

معزز قارئین، گزشتہ کچھ عرصہ سے پورے ملک پاکستان میں رائج الوقت جمہوری نظام کے خاتمے کے سلسلے میں آزادی اور انقلاب مارچ اور احتجاجی دھرنے کا غلغلہ رہا ہے کچھ عناصر نے یوم آزادی ایسے اس اہم دن کی اہمیت اور ملیّ وقومی یکجہتی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پوری پاکستانی قوم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا حکومت اس احتجاجی مارچ کو روکنے کے لئے پکڑ دھکڑ اور راستے بلاک کر کے اس مہم جوئی کو روکنے کے کوشش کرتی رہی ہے تاہم اس سب کچھ کے باوجود ہزاروں لوگ اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہوگئے مارچ اور دھرنا پارٹیوں کے رہنماؤں کی طرف سے حکومت کو الٹی میٹم دیے گئے اور یہاں تک کہ سول نافرمانی کی دھمکی بھی دی گئی، پولیس تشدد، ناکے اور حکومتی حفاظتی اقدامات عوام کو درپیش مشکلات دوسری طرف مارچ کرنے والوں کی محاذ آرائی قانون ہاتھ میں لینے کی دھمکیاں اور ہر صورت اپنے مطالبات منوانے کی ضد نے عوام کو نفسیاتی مریض بنا کر رکھ دیا ہے۔ اللہ نہ کرے ایک بار پھر جمہوریت کی بساط ہی لپیٹ دی جائے اور ملک کسی مہم جوئی اور باہمی انتشار کا شکار ہو جائے حالانکہ اس وقت ملک اور قوم کو ملیّ یکجہتی اور اتحاد و یگانگت کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ ع شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات

نہ ڈُھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی

درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں؟

(آخری حصہ)

انجینئر مختار فاروقی

جن انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے آسمانی ہدایت انسانیت تک پہنچی ہے ان کا بیان قرآنِ مجید میں مختصر بھی اور قدرے تفصیل سے بھی موجود ہے۔ آج سے 500 سال یا 1000 سال قبل قرآنِ مجید میں مذکور انبیاء کرام علیہم السلام کے تاریخی وجغرافیائی حالات اتنے واضح نہیں تھے اس لئے کہ معلومات عام نہیں تھیں آج کمپیوٹر کے دور میں یہ معلومات عام ہیں۔ قرآنِ پاک میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ھود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام وہ پیغمبر ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل تشریف لائے اور حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد میں آئے ان کا تفصیلی تذکرہ ہے۔

تاریخی طور پر اور جغرافیائی طور پر جمع شدہ معلومات مختلف کتابوں میں بھی ہیں اور کمپیوٹر پر بھی ہیں اس سے بھرپور استفادہ کی ضرورت ہے اور اس کے فہم وادراک کے بعد ان معلومات کا حسبِ ضرورت مدرّس کی زبان پر بلا تکلف آجانا ازحد ضروری ہے۔ مختصر بیان کرنا ہے اشارہ کافی ہے یا تفصیلی بیان کی ضرورت ہے یہ ہر مدرّس اپنے زیرِ درس آیات، سامعین کی ذہنی سطح اور وقت کو دیکھ کر فیصلہ کرے گا۔ تاہم یہ بات یاد رہے کہ آج کے دور میں کسی مدرّسِ قرآنِ مجید کے بیان میں ان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ زمانۂ ماضی کی گمشدہ ہستیوں اور غیر اہم شخصیات کے طور پر ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ چنانچہ ان انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں جو معلومات آئی ہیں ان کے تاریخی

وجغرافیائی حقائق کو سامنے رکھ کر، ان علاقوں کے بارے میں موجود وڈیو کلپس وغیرہ دیکھ کر مدرّس کو اپنا ذہن مطمئن کر کے اپنے سامعین تک اس یقین کو منتقل کرنا ہے جو نہایت ضروری ہے۔

7

قرآنِ مجید انسان کو ایک 'ذمہ دار' اور جوابدہ مخلوق قرار دیتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ نیم پاگل لوگ اور ناپختہ عقل والے لوگ (MENTALLY RETARDED PEOPLE) 'مرفوع القلم' کہلاتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کا حساب کتاب نہیں ہے اس لئے کہ انہیں اس بات کا شعور ہی نہیں کہ وہ خود کون ہیں اور ان کو بطور انسان کیا کرنا ہے۔ کسی مخلوق میں 'شعورِ ذات' اور اس کے مطابق اس کی صلاحیتیں ہی اس کو دوسری مخلوقات سے ممتاز کرتی ہیں اور ذمہ داری کا مقام دلاتی ہیں۔

دنیا میں جمادات ہیں پتھر، مٹی، ریت وغیرہ ان میں 'شعور' نام کی کوئی شئے نہیں ہے نباتات ہیں ان میں کسی حد تک شعور، احساسات اور زندگی ہے مگر 'شعور' اتنا کم ہے کہ وہ اپنی پہچان کر سکیں۔ پھر حیوانات ہیں ان میں شعور کی سطح قدرے بلند ہے مگر وہ شعور ـــــ شعورِ ذات کا متحمل نہیں ہے۔ لہٰذا جانور (ANIMAL KINGDOM) بھی جوابدہ مخلوق نہیں ہے کہ اس کا محاسبہ کر کے اس کو سزا و جزا یا جنت و دوزخ کا حق دار قرار دیا جا سکے۔ مخلوقات میں سے سب سے اُوپر انسان ہے۔ مگر انسانوں میں سے بھی ہم سب جانتے ہیں کہ ع خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد والا معاملہ ہے۔

انسان کے علاوہ 'جن' ایک مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ مخلوق ہے قرآنِ مجید میں سورۃ الرحمٰن (57) میں بار بار فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ کے الفاظ آئے ہیں اس میں "تُکَذِّبٰنِ" تثنیہ کا صیغہ ہے اور مراد ہے 'اے جنو! اور اے انسانو! تم (دونوں) اپنے ربّ کی کون کون سی نعمت (یا قدرت) کا انکار کرو گے۔ اور اسی طرح ان کے لئے جنت اور دوزخ کا بھی ذکر ہے۔ 'جن' چونکہ عام انسان کو نظر نہیں آتے لہٰذا ہماری گفتگو صرف 'حضرتِ انسان' کے جوابدہ اور ذمہ دار مخلوق ہونے تک محدود رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو 'نفس لوامہ' عطا فرمایا ہے (فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَ تَقْوٰھَا)

(پھر سمجھ دی اس کو برائی اور پرہیزگاری کی) لہٰذا ہر انسان کے اندر بھی احساس ہے اور پیغمبروں نے بھی یہی زور دے کر کہا ہے کہ ہر انسان 'موت' کے ایک عرصہ کے بعد (جو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کتنا عرصہ ہوگا) دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا اور اپنے ربّ کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ ہر انسان کے اعمال و افعال ریکارڈ کئے جا رہے ہیں کراماً کاتبین بھی لکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ خود بھی جانتا ہے، روزِ قیامت ہاتھ پاؤں اور انسانی جلد (کھال) بھی انسانی اعمال کے احوال بتائیں گے اور ان حقائق کی روشنی میں ہر انسان کے مستقبل کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اچھے اعمال کی صورت میں انسان جنت میں جائے گا اور بُرا انسان ہونے کی صورت میں انسان بطور سزا جہنم (آگ) میں ڈال دیا جائے گا اور یہ دوزخ ہمیش ہمیش کی سزا ہوگی۔ اعاذنا اللہ من ذالك

آخرت پر ایمان ہر انسان کی اصلاح کے لئے بہت اہم ہے اور انسان کے برائیوں اور نافرمانی والی زندگی سے توبہ کے لئے ایک بنیادی جذبہ محرکہ (MOTIVE) کا کام کرتا ہے فکر آخرت اور جنت و دوزخ کے تصور کے بغیر دنیا بھر میں انسانی کردار کی اصلاح اور سماجی برائیوں کے انسداد کا اور کوئی پروگرام مؤثر نہیں ہوسکتا۔ انسان کا ایمان لانا اور آخرت پر جیسا کہ قرآن مجید بتاتا ہے اس طرح کا ایمان ہی انسان کو عمل صالح پر آمادہ کر سکتا ہے۔ آخرت کو مان کر بھی کئی چور دروازے انسان نے ایجاد کر لئے ہیں مگر قرآنِ مجید دلائل کے ساتھ ان سب رخنوں کو بند کر دیتا ہے۔

مدرّسِ قرآن ـــــ احوالِ آخرت کا تذکرہ کرتا رہے جہاں آخرت کا تذکرہ ہو وہاں توازن کے ساتھ جنت اور دوزخ یا تبشیر اور انذار یا 'فضائل اور ڈرانا' کا بیان کرے۔

اس راستے میں جس بات کا تذکرہ مدرّس کو ضرور کرنا چاہئے وہ برے اعمال کی سزا سے بچنے کے لئے 'توبہ' کا عمل ہے اور یہ توبہ کا تصور ہم انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اور اس سے ہی بیس، تیس چالیس سال گناہ کرنے والا بھی توبہ پر آمادہ ہو جاتا ہے کہ سابقہ گناہ معاف ہو رہے ہیں۔ توبہ کے اس تصور کے بغیر 'اصلاح' کا کوئی پروگرام کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔ ہاں توبہ کی کچھ شرائط ہیں ان شرائط کے ساتھ ہی توبہ 'سچی توبہ' کہلا سکتی ہے۔

8

قرآنِ مجید جب انسان کو ایک ذمہ دار اور جوابدہ بتاتا ہے اور اس کے لئے قرآن مجید انسان کی حقیقت اور زندگی کی حقیقت پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ عوامی سطح پر انسان ڈارون کا 'انسان' اور فرائڈ کا 'انسان' سمجھا جاتا ہے، ایسا انسان جس کے پاس ایک ترقی یافتہ (EVOLVED) مادّی جسم کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا اس تصورِ انسان کے ساتھ انسان کے اندر فطری اور نظری طور پر کوئی داعیہ اپنے ربّ کی معرفت وملاقات اور تقربِ خداوندی کا ثابت کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ اس کے لئے قرآن مجید انسان کے جسدِ خاکی (حیوانی وجود) کے ساتھ ایک 'روحِ ربانی' یا روحانی وجود کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اگر معرفت الٰہی اور تعلق مع اللہ ہمارے دین میں کوئی حقیقی اصطلاحات ہیں تو وہ روحِ انسانی کے ہی تقاضے ہیں اور ان کی تسکین کا سامان بھی اثباتِ روح سے ہی ہوسکتا ہے جیسے قرآنِ مجید سورۂ حجر (15)، سورۂ ص (38) میں 'نفخ روح' سے تعبیر کرتا ہے اور سورۂ مؤمنون (23) میں 'خَلْقًا اٰخَر' بتاتا ہے، کہیں 'لقاء الآخرۃ' اور کہیں 'لقائے ربّ' کے الفاظ سے قیامت کے دن حقیقی انسان کی اپنے ربّ کے سامنے پیشی پر روشنی ڈالتا ہے۔ حدیث پاک (صحیح مسلم) میں ہے کہ رحم مادر میں تخلیق انسانی کے مراحل میں آخری مرحلہ ایک جیتے جاگتے انسان کے اندر فرشتہ آکر 'روح' ڈالتا ہے۔ یہ 'روحِ انسانی' ایک الگ وجود رکھتی ہے اور اس کے ذرائع علم بھی ہیں۔ اسی روح کی تسکین ورہنمائی اور تجلیہ وتصفیہ کے لئے 'وحی' کا سلسلہ جاری کیا گیا جو براہِ راست روح سے متعلق ہی ہے۔ اسی روح کا تقاضا قیامت کے بعد جنت میں دیدارِ الٰہی ہے اور ہر خوش نصیب شخص جو جنت میں جائے گا (اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے ہی لوگوں میں سے کرے۔ آمین) وہ اپنے اعمال، مقام، رتبے کے مطابق اپنے 'ربّ' اللہ کا دیدار کرے گا جس کا اس دنیا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے امکان ردّ کر دیا گیا۔ اسی لئے وحی کو بھی 'روح' کہا گیا فرشتے کو بھی روح کہا گیا۔ الغرض اس روح کے تقاضے جسدِ خاکی کے تقاضوں پر غالب کرنے کا نام ـــــ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل درآمد کرنا ہے۔ روزہ اس عمل کی مشق ہے۔ قرآن پاک (وحی) ہماری روح کے لئے بمنزلہ غذا ہے، اس کی تلاوت، اس کے ساتھ قیام اللیل ـــــ اپنے ربّ کے تقرب کا آسان ذریعہ ہے۔

درسِ قرآن دیتے ہوئے مدرّس کو روح اور روحانی تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے اور معاشرے میں موجود تصورات (روحانی ترقی کے مروّجہ طریقے) کی اصلاح کی طرف تو توجہ دلانی چاہیے ان کی کلیتاً نفی اور گمراہی قرار دینا یہ تصورِ اُمت مسلمہ کے ایک بڑے طبقے بالخصوص جنوبی ایشیا میں صوفیاء کی کوششوں سے اسلام کے پھیلنے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کے ذہنوں میں رچا بسا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ تمام معروف مصلحین ومجدّدین نے اس کی اصلاح کی بھرپور کوششیں بھی کی ہیں تاہم اس کی نفی نہیں کی۔ علامہ اقبال کے اشعار ہر مسلک کے علماء وعوام کی زبان پر جاری ہیں۔ علامہ اقبال نے تصوف پر بڑی جارحانہ تنقید کی ہے، پیروں اور گدی نشینوں کے 'عیوب' کی پردہ دری کی ہے تاہم وہ خود اسی میدان کے آدمی ہیں اور ابن عربی ورومی وغزالی رحمۃ اللہ علیہم کے خوشہ چین ہی نہیں مداح وشارح بھی ہیں۔

لٰہذا ـــــ مدرّس کا بالعموم اپنے ماحول کے مطابق (اور ہمارے ہاں 95% سے زیادہ دروسِ قرآن کے حلقوں کا ماحول یہی ہے) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور دورِ حاضر میں جدید تعلیم یافتہ افراد کی اصلاح کے لئے علامہ اقبال کی مثال اور اُن کی تعلیمات و اشعار کے ذریعے اصلاح کا عمل آگے بڑھانا چاہیے۔ اگر کوئی مدرّس جان بوجھ کر روحانیت پسند یا تصوف پسند یا اسلام کی اصطلاح کے مطابق 'احسانِ اسلام' کے قدردانوں کے حلقوں میں گھس کر ان لوگوں کی آرا کو بیان کرے گا جو اس طبقے کے اکابرین پر تنقید ہوگی تو نتیجہ فساد کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔ ایسے مدرّس کو اپنا حلقہ درس اپنے ہم مسلک لوگوں کے قریب قریب ہی رکھنا چاہیے۔ پاکستان کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ یہاں مدرّسِ قرآن کو 'تصوف' کے سلاسل میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تنقید کو بیان کر کے اصلاحِ احوال کی نیت سے بات آگے بڑھانی چاہیے اور اپنا ذہن بھی ایسا ہی بنانا چاہیے۔

9

مدرّسِ قرآن کو یہ حقیقت ہر وقت نوشتہ دیوار کے طور پر سامنے رکھنی چاہیے کہ ایک طرف قرآنِ مجید ایسی کتاب ہے جو چودہ صدیاں پہلے نازل ہوئی اور اس کے لانے والے سیّدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی، اسی کی آیات لوگوں کو پڑھ کر سنائیں، ان کا تزکیہ کیا، ان

کو احکام اور حکمت کی تعلیم دی اور دیکھتے ہی دیکھتے ـــــ عرب کے پس ماندہ، بے علم، اپنے وقت کے جدید علوم وفنون سے ناواقف کے افراد میں ایسی تبدیلی آئی اور جذبہ عمل پیدا ہوا کر پورے عرب میں انقلاب آ گیا۔ انقلاب سے میری مراد تبدیلی ہے اور یہ تبدیلی انفرادی واجتماعی ہر سطح پر آئی بلکہ سچ یہ ہے کہ یہ تبدیلی ایسی ہمہ جہتی تبدیلی تھی کہ زندگی کے ہر شعبہ کو متاثر کر گئی اور ڈھونڈ نے سے شاید کوئی شعبہ ایسا نہ مل سکے جو جوں کا توں رہ گیا ہو۔

ہمارے عام واعظین و مدرّسین قرآن مجید کے ذریعے محراب ومنبر سے جو پیغام عام کر رہے ہیں وہ ذاتی نیکی نماز، تہجد، اذکارِ مسنونہ، چند ذاتی انفرادی سطح کی سنتیں اور چند سماجی اقدار ـــــ بس اللہ اللہ خیر سلاّ۔

یوں ـــــ سیّدنا حضرت محمد ﷺ کے پیغام کا ایک بڑا حصہ نظروں سے اوجھل رہ جاتا ہے اور صدیوں کے تعامل سے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والی بات ہو جاتی ہے آج سے تین صدیاں قبل ایسی اصلاحی تقریریں اس لئے مؤثر ہو جاتی تھیں کہ اس وقت دنیا میں تین براعظموں پر پھیلی عظیم سلطنت عثمانیہ موجود تھی اور لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کا سیاسی وعسکری پہلو از خود واضح رہتا تھا اور برصغیر میں اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم حکومت رہی تھی اور اس کے اثرات تھے پھر جذبہ جہاد تھا جو انگریز کے آنے کے بعد غیر ملکی آقاؤں کے خلاف اُبھرا۔ مگر اب سلطنت عثمانیہ کے اپنوں اور غیروں کی ریشہ دوانیوں سے 1924ء میں خاتمے اور جنوبی ایشیا میں انگریزی استعمار کے منحوس غلبے اور حیوانی تہذیب کے غلبے کے بعد اب ایسے سادہ وعظ ودروس ہوا میں غائب ہو جاتے ہیں کہ ان کی حمایت میں خارج میں کوئی دلیل اسلام کی ایک سیاسی وعسکری طاقت کے طور پر موجود ہو۔

لہٰذا ہر مدرّسِ قرآن کو قرآنِ مجید کو ایک تبدیلی لانے والی کتاب اور 'انقلاب آفریں' کتاب کے طور پر پیش کرنا چاہئے۔

دوسری طرف یہ کتاب قرآنِ مجید حضرت محمد ﷺ پر اُتری اور اس کی حفاظت کا ذمہ قیامت تک کے لئے خالق ارض وسماء نے خود لے لیا (الحجر 15-09)۔ تیسرے حضرت محمد ﷺ صرف اپنے دور کے لئے اور عرب کے لئے نبی نہیں تھے بلکہ اپنے زمانے میں بھی سارے روئے ارضی کے انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور بعد کے تمام ادوار کے لئے بھی نبی تھے آج بھی

انہی کا دورِ نبوت و رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام چل رہا ہے اور ہر مسجد میں رکھا منبر 'منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم' کہلاتا ہے جس پر کوئی نائب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کھڑا ہوا انہی کے پیغام کو عام کر رہا ہوتا ہے۔

لہٰذا مدرّسِ قرآن کے دل کا یہ یقین کہ یہ کتاب قرآنِ مجید آج بھی اتنی ضروری اور مؤثر ہے جتنی چودہ صدیاں قبل تھی۔ اس کے لہجے، اندازِ گفتگو اور باڈی لینگویج سے عیاں رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ یقین پس منظر میں چلا جائے تو یہ کتاب بس ایک 'برکت والی کتاب' رہ جاتی ہے اور اس کا پڑھنا پڑھانا غیر ضروری قرار پاتا ہے، اس کتاب کے صرف تعویز لکھے جاتے ہیں اور مختلف بیماریوں کے علاج کے لئے نذرانے لے کر فروخت کیے جاتے ہیں اور بس۔ اسی لئے کہ عوام کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو چکی ہے کہ اب یہ کتاب صرف طاقوں میں سجانے کے لئے رہ گئی ہے۔

ہمارے نزدیک ہر مدرّسِ قرآنِ مجید کو اس تصور پر ضربیں (HAMMERING) لگا کر توڑنا ہے اور اس کتاب کو آج بھی ایک زندہ، مؤثر اور جاندار کتاب کے طور پر پیش کرنا ہے۔ مدرّس کا ذاتی یقین ہی اس سلسلے میں بنیادی کردار ادا کرے گا کہ دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرح آج بھی یہ کتاب اگر سمجھ لی جائے تو عوام میں ایک ایسا شعور پیدا ہو سکتا ہے جو وقت کے فرعونوں، نمردونوں، ابوجہلوں، کسراؤں اور قیصروں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جا سکتا ہے۔ یہ جذبہ صرف الفاظ کے لہجے سے ہی مدرّس سے سامعین تک منتقل ہو سکتا ہے۔

اگر ایسا ہو جائے تو قرآنِ مجید کے حلقوں کے نتیجے میں ان شاء اللہ تبدیلی آ کر رہے گی۔

10

قرآنِ مجید کے مخلص مدرّس کے لئے یہ بات بڑی سعادت کی ہے اس عمل سے اس کا تعلق اس سنہری سلسلہ سے جڑ جاتا ہے جو اُوپر جاتے جاتے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اس لئے کہ اس کتاب ــــ قرآنِ مجید ــــ کے پہلے 'معلم' و مدرّس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور یہ سعادت بقول شاعر

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کسی شعبے میں کسی ماہر اور لائق انسان کی لیاقت کا انداز بالعموم انسانی معاملات میں اسی شعبے کا کوئی دوسرا ہی سمجھ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ڈاکٹر کی مہارت کا اندازہ اسی شعبے کا دوسرا ڈاکٹر ہی بیان کرسکتا ہے یا اس راستے پر چلنے والا اور آگے بڑھنے والا ہی کرسکتا ہے۔

تاریخ انسانی میں کسی کتاب کو پڑھانے اور معلم کے فرائض ادا کرنے کے لئے جتنی بھی ممکنہ خوبیاں ہوسکتی ہیں کسی عام معلم و مدرّس کو ان میں سے چند خوبیاں ہی میسر آجائیں تو وہ قابل فخر بات سمجھی جائے گی اور آدمی فخر سے سر اُونچا کر کے بات کرے گا۔

قرآنِ مجید کے لانے والے سیّدنا حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود یہ کتاب عطا فرمائی اور اس کتاب کا معلم بنا کر بھیجا اور تمام ممکنہ کمالات سے نواز دیا جن میں سے چند خوبیاں یہ ہیں:

1 حضرت محمد ﷺ قرآنِ مجید کے دینے والے کو، اللہ تعالیٰ (جس کا یہ کلام ہے) نے شب معراج میں ملاقات کرنے کے لئے آسمانوں پر بلایا اور ONE TO ONE ملاقات (دیدار) ہوئی۔

2 قرآنِ مجید میں کائنات کی وسعت کا بیان ہے عام آدمی 1500 سال قبل تو کیا آج بھی اس کا صحیح ادراک نہیں کرسکتا۔ آپ ﷺ نے معراج کی رات آسمانی سفر میں دورانِ سفر اس وسعت افلاک کا بچشم سر مشاہدہ فرمایا۔

3 قرآنِ مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ ہے اور آپ بھی اسی سلسلہ الذہب کی آخری کڑی یعنی خاتم النّبیین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے آپ کی عموی ملاقات کا اہتمام کردیا۔ (شب معراج یروشلم میں آپ ﷺ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی۔)

4 قرآنِ مجید کو سمجھنے کے لئے علماء کے نزدیک ان علاقوں کا سفر کرکے معلومات حاصل کرنا ہے جہاں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ھود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام وغیرھم تشریف لائے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یروشلم سمیت قرآنِ مجید میں مذکور سارا جغرافیہ دکھایا اور سامنے رکھ دیا۔ سابقہ قبلہ بیت المقدس میں آپ ﷺ کی تشریف آوری اور اس کا مشاہدہ اس کا حصہ تھا۔

5 قرآنِ مجید میں مذکور 'اولوا العزم من الرسل' علیہم السلام یعنی رسولوں میں سے اہم ترین افراد سے آپ کی مختلف آسمانوں پر فرداً فرداً ملاقات کا اہتمام کرایا گیا۔

6 آپ ﷺ کو کائنات کے اہم اور ناگزیر گوشوں کی سیر کرائی گئی اور مشاہدہ کرایا گیا تاکہ قرآنِ مجید کی وضاحت فرمانے میں 'عین الیقین' کے طور پر ان معاملات کا تذکرہ فرما سکیں۔

7 آپ ﷺ نے فرشتوں کو بھی قریب سے دیکھا، حضرت جبرائیل علیہ السلام سے طویل ترین مصاحبت رہی، کائنات کا سفر، پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ٹھہر جانا اور اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لئے آگے اکیلے سفر ــــ انسان کی عظمت کی نشانی اور 'فرشتے سے بہتر' انسان بننا کی مثال بن گیا۔

8 قرآنِ مجید کی وضاحت کرتے ہوئے جنت و دوزخ کا تذکرہ آتا ہے۔ صحیح تذکرہ تو ایمانِ کامل کے ساتھ ہی ہوسکتا ہے کہ 'کَاَنِّیۡ اَنۡظُرُ اِلَی الۡجَنَّۃ' اور 'کَاَنِّیۡ اَنۡظُرُ اِلَی النَّار' کا انداز ہو ــــ مگر آپ ﷺ کی رفعت شان کہ آپ کو جنت و دوزخ کی تفصیلی سیر کرائی گئی وہاں مختلف مقامات اور مراحل میں لوگوں کو دکھایا گیا تاکہ آپ ﷺ جنت و دوزخ کا تذکرہ 'سنی سنائی' بات کی طرح نہیں' بلکہ عین الحق کے ساتھ حق الیقین کے درجے میں بات کرسکیں۔

9 قرآنِ مجید کی زبان ــــ آپ ﷺ کی مادری زبان تھی اور اس کا لہجہ بھی اعلیٰ درجے کا تھا آپ ﷺ کے تربیتی مراحل میں بنی سعد کے ہاں قیام سے بھی آپ ﷺ نے عربی لہجہ میں بھی کمال کا درجہ حاصل کرلیا۔

10 معراج کی شب بار بار آپ ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے دوبارہ چلے جانا آپ ﷺ کے لئے قرآنِ مجید کے معانی و مفاہیم اور تصوراتِ قرآنی کی صحیح تعیین کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ان دس خصوصیات پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر یہ قرآنِ مجید نازل فرمایا اور اس کو آپ ﷺ کے دل میں جمع فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کو یاد کرایا۔ پھر آپ ﷺ کی لسانِ حق ترجمان پر جاری فرمایا اور پھر اہل ایمان کے سامنے قول و عمل سے ہر ممکنہ مخفی گوشے کی وضاحت فرمادی جو ہدایت کے لئے ضروری تھا۔

اس لحاظ سے حضرت محمد ﷺ قرآنِ مجید کے پہلے معلم ہونے کے ساتھ پہلے اور عظیم ترین مفسر قرآنِ مجید کے مقام پر بھی کھڑے ہیں اس لئے کہ بعد کے مفسّرین چاہے مسلمان ہی ہوں، کو بھی ان خصوصیات میں ایک یا دو اور وہ بھی جزوی طور پر میسر آ سکیں۔

آپ ﷺ کی بیان کردہ تفسیر کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے محفوظ کر لیا۔ پہلے عمل میں، پھر یادداشت میں اور پھر بیان بھی فرما دیا۔ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لے لیا وہ کلامِ خداوندی تو لفظاً بھی محفوظ ہے جبکہ وہ تفسیر جو آپ ﷺ نے فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف سوالوں کے جواب دیے وہ ـــــ حدیث کہلاتی ہے، وہ بھی معناً محفوظ ہے اور جو حصہ ہدایت کے لئے جتنا ضروری تھا وہ آج بھی اُتنا ہی ماٴمون ومحفوظ موجود ہے۔

اس ساری تفصیل کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید آپ ﷺ کا زندہ معجزہ اور قیامت تک رہنے والی کتاب ہے اس کے کچھ عجائبات وقت کے ساتھ اور آپ ﷺ کے دورِ مسعود کے بہت بعد ظاہر ہونے والے تھے ان باتوں کا تذکرہ قرآنِ مجید کے صغریٰ کبریٰ کا لازمی تقاضا تو تھا مگر آپ ﷺ کی لسانِ حق ترجمان نے ان باریکیوں کو بھی کھول کر بیان فرما دیا اور اپنی حیاتِ طیبہ کے بعد سے لے کر قیامت تک کے احوال کا تفصیل سے تذکرہ فرما دیا جو کتب احادیث میں تفصیلاً موجود ہیں۔

ان میں جھوٹے نبیوں کا ذکر، اشراط الساعۃ، سیاسی اعتبار سے خلافت راشدہ، مسلمان بادشاہ اور مسلمانوں کے لئے غلامی کا دور اور بعد ازاں پھر 'خلافت کا قیام' اور اس خلافت کے عالمی ہونے کا تذکرہ، دجال کا تذکرہ، یہود کی شرارتیں اور ان کو یروشلم میں جمع کر کے ختم کر دیا جانا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ تشریف لانا، قیامت کی آمد کی مزید نشانیاں یہ سب تفصیلات ہم جیسے ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے آنکھوں کا سُرمہ ہیں اور آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہیں اور فی زمانہ کامل رہنمائی ہے۔

انہی نشانیوں میں سے چند کا تذکرہ ہم یہاں کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو آج کے دور میں ہر مدرّسِ قرآن کے لئے اپنے ایمان کی حفاظت اور دوسرے اہل ایمان تک حق پہنچانے کا فرض ادا کرنے کے لئے از حد ضروری ہے۔

- قربِ قیامت میں اسلام کا دوبارہ غلبہ ہوگا اور اس بار یہ غلبہ عالمی ہوگا۔

(رواہ احمد فی المسند بسند صحیح، عن المقداد رضی اللہ عنہ)

- آخری زمانہ میں اسلام کی حکومت دنیا کے تمام اطراف میں پھیل جائے گی۔

(رواہ مسلم و الترمذی و ابوداود و ابن ماجه، عن ثوبان رضی اللہ عنہ)

- خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور دوبارہ آ کر رہے گا۔

(رواہ احمد، عن النعمان بشیر رضی اللہ عنہ)

- دجال کا فتنہ
- اسلام کا عالمی غلبہ ـــــــ یعنی خلافت کا دوبارہ قیام

درسِ قرآن سننے کے تقاضے:

ہر مدرّسِ قرآن ان باتوں کا تذکرہ کرے گا اور سامعین سنیں گے ـــــــ نتیجتاً یہ سوال پیدا ہوگا کہ ـــــــ یہ کام کون کرے گا؟۔

از خود ذہن میں جواب آئے گا کہ یہ کام پہلے بھی مسلمانوں نے کیا اور اب بھی مسلمان ہی کریں گے۔ لہٰذا ـــــــ ہر مدرّسِ قرآن اور سامع درسِ قرآن کو ان بشارتوں کو سن کر ایک طرف خوشی ہوگی کہ اسلام دوبارہ عالمی غلبہ حاصل کرلے گا تو دوسری طرف ہم سب کی ذمہ داری بھی سامنے آئے گی کہ ہم ـــــــ باقی اپنے تمام کاموں اور ذمہ داریوں سے اُوپر اس بات کو رکھیں اور ـــــــ اسلام کے عالمی غلبے کے لئے ہی اپنی تمام جسمانی و ذہنی صلاحیتیں وقف کر دیں۔ تاکہ یہ مرحلہ جلد سے جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے بقول شاعر

ؔ وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

ؔ عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تیری
میرے درویش خلافت ہے جہاں گیر تیری

اور حقیقت یہی ہے یہ شعر بھی تھوڑے لفظی تغیر کے ساتھ سامنے رہے۔

ؔ یہ شہادت گہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آساں سمجھتے ہیں 'مدرّس' ہونا

حقیقت نیکی (I)

انجینئر مختار فاروقی

انجینئر مختار فاروقی صاحب نے کیڈٹ کالج جھنگ میں ماہانہ درسِ قرآن کے سلسلہ میں 13 اکتوبر2013ء مذکورہ عنوان سے خطاب فرمایا تھا۔ جسے تحریر میں لاکر قارئین حکمت بالغہ کے استفادہ کے لیے شائع کیا جارہا ہے۔ (مرتب: انجینئر عبداللہ اسماعیل)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ، اَمَّابَعْد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَ الْکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ وَ اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ السَّآئِلِیْنَ وَ فِی الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَ الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَاءِ وَ الضَّرَّاءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ O (02-177)

صدق اللّٰہ العظیم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ

وَ احْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ

عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

معزز حاضرین اور عزیز طلباء! آج ہماری گفتگو کا عنوان ہے ''حقیقتِ نیکی''۔
نیکی اور نیک کا لفظ ہم اُردو میں استعمال کرتے ہیں۔ یہ کام بڑی نیکی کا ہے اور فلاں آدمی بڑا نیک ہے۔لیکن نیکی کہتے کسے ہیں؟ اس کو سمجھنا ضروری ہے۔ ہر شخص کا نیکی کا ایک اپنا تصور بن گیا ہے کوئی کسی چیز کو نیکی سمجھتا ہے، کوئی اپنے ذہن کے مطابق کسی کام کو نیکی سمجھتا ہے۔ حقیقی نیکی وہی ہوگی جو ہمیں اللہ تعالیٰ بتائیں گے اور اللہ کے رسول ﷺ جو وضاحت فرمائیں گے۔ جو بات قرآن میں آجائے کہ یہ نیکی ہے وہ ہے اصل نیکی۔ اور چونکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمیں اس بات پر یقین ہے کہ ہم اس دنیا میں زندگی اس طریقے پر گزاریں کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور اللہ کے رسول ﷺ بھی راضی ہو جائیں تو آخرت میں اللہ تعالیٰ ہمیں بہت اجر عطا فرمائے گا۔ ہم مسلمان آخرت کو بھی مانتے ہیں۔ ایک یہ دنیا کی زندگی ہے جو ہم گزار رہے ہیں یہاں سے آدمی زندگی گزار کر فوت ہو جاتا ہے چلا جاتا ہے اور ہر عمر کے لوگ فوت ہو جاتے ہیں، دو دن کا بچہ بھی فوت ہو جاتا ہے دو سال کا بھی دس سال کا بھی، جوان بھی، بوڑھے بھی، عورتیں بھی، مرد بھی، نیک بھی، بُرے بھی، جو بھی اس دنیا میں آئے ہیں سب نے چلے جانا ہے، کوئی آدمی 200 سال کی عمر کا دنیا میں موجود نہیں ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے وہ بھی دنیا سے چلے گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے وہ بھی چلے گئے، اولیاء اللہ بھی چلے گئے۔ تو جانا تو ہر کسی کو ہے، لیکن جو غیر مسلم ہیں وہ یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی مر گیا بس ختم ہو گیا یہ حقیقت ہے کہ جانور جب مر جاتے ہیں تو ان کے لئے کوئی جنت دوزخ نہیں ہے۔ جانور مر گیا...... مثلاً گدھا، کتا، بلی، شیر، اونٹ وغیرہ مر گیا تو وہ ختم ہو گیا۔ لیکن انسان گدھا نہیں ہے، انسان جانور نہیں ہے انسان کا مرنا جانوروں کے مرنے کے برابر نہیں ہے، دیکھو! گدھا یا کتا مر جاتا ہے تو ایسے ہی پھینک دیتے ہیں۔ بکری ذبح کر لی جائے تو گوشت کھایا جاتا ہے بغیر ذبح کیے اس کی جان نکل جائے تو اس کو ایسے ہی پھینک دیتے ہیں۔ جبکہ انسان ایسا نہیں ہے خاص طور پر ہم مسلمان، کوئی آدمی فوت ہو تو اس کو نہلاتے دھلاتے ہیں، اس کا جسم صاف کرتے ہیں، اس سے گندگی دور کرتے ہیں پھر اس کو نئے کپڑے پہناتے ہیں، اس کے لیے اللہ سے استغفار کرتے ہیں اور پھر بڑے باادب طریقے پر اس کو زمین میں دفنا دیتے ہیں تا کہ بدبو اور تعفن نہ پھیلے۔ جب کہ

دنیا میں بہت سارے غیر مسلم لوگ ایسا نہیں کرتے۔

ہم مسلمان جب کوئی کام کرتے ہیں تو ساتھ یہ سوچنا پڑتا ہے کہ یہاں تو میں کوئی نیکی کا کام یا کوئی غلط کام کر رہا ہوں لیکن مرنے کے بعد میرے ساتھ کیا ہوگا اس کا نتیجہ وہاں کیا نکلے گا۔ اس لئے کہ یہ دنیا کی زندگی تو گزر رہی جائے گی یہاں کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کوئی شرارت کرتا ہے، کوئی غلطی ہو جاتی ہے، کسی کا نقصان کر دیتا ہے تو اس کا کسی کو پتہ ہی نہیں ہوتا وہ بات چھپی رہ جاتی ہے۔ لیکن ہم مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ آخرت ہے، اللہ دیکھ رہا ہے، وہاں حساب کتاب ہوگا۔ اگر کسی نے کسی پر ظلم کیا ہے، کوئی جرم کیا ہے، کوئی غلطی کی ہے، کسی کا کوئی نقصان کیا ہے اور یہاں اس کا راز فاش نہیں ہوا یہاں اگر بچ گیا تو بچ گیا، آخرت میں تو نہیں بچ سکتا۔ لہٰذا ہم مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ ہر وہ کام کرنا چاہئے جو یہاں بھی فائدہ دے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی فائدہ دے اور یہ بات غیر مسلم نہیں مانتے۔

دنیا میں 20 فیصد مسلمان ہیں، ہر پانچواں آدمی مسلمان ہے اور 80 فیصد کافر ہیں۔ کافر تو آخرت کو مانتے ہی نہیں ہیں اگر کسی درجے میں مانتے بھی ہیں تو اس کا کوئی لحاظ نہیں کرتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جیسے جانور مر جاتے ہیں اسی طرح انسان بھی مر گیا تو ختم ہو گیا۔ لہٰذا دنیا میں جو لوٹ کھسوٹ کر سکتے ہو کرو۔ دنیا میں ساری برائیاں اسی لئے ہیں کہ لوگوں میں آخرت کا احساس نہیں ہے۔ یہ احساس اگر ہو کہ میں یہ حرکت کر رہا ہوں اور اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور اس کو ریکارڈ کیا جا رہا ہے، میری ویڈیو بن رہی ہے اور مرنے کے بعد قیامت کے دن پیش کر دی جائے گی اور حساب کتاب ہو جائے گا اور کوئی راز چھپا نہیں رہے گا تو پھر آدمی کم غلطیاں کرتا ہے۔ انسان سے غلطی تو ہو جاتی ہے، کبھی ذہن سے بات نکل جاتی ہے، اوہو! میں یہ سمجھا تھا کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا، اچھا اللہ دیکھ رہا ہے، ٹھیک ہے خیال کرتے ہیں۔ لیکن غیر مسلم تو ان باتوں کو مانتے ہی نہیں۔ مسلمانوں میں سے بھی اکثر لوگ خیال نہیں کر رہے۔ جو شخص نماز نہیں پڑھتا، جو روزے نہیں رکھتا، جو سچ نہیں بولتا اور یہ بازار اور منڈیاں سب ہماری ہی ہیں یہ سارے معاملات ہیں لیکن اکثر لوگ اسی لئے خیال نہیں کر رہے کہ ان کے دل میں آخرت کا یقین نہیں ہے۔

تو 'نیک' کا لفظ اس طرح بنا ہے کہ دنیا میں ہر وہ کام کیا جائے جس سے یہاں بھی کسی کا

فائدہ ہو، اس میں کسی کا نقصان نہ ہو اور اس نیکی کے کام کا آخرت میں جب ہم دوبارہ زندہ کر کے اللہ کے سامنے پیش کر دیے جائیں گے تو وہاں بھی اس کا اچھا نتیجہ ملے گا۔ وہاں جو نتیجہ نکلنے والا ہے یا تو ہمیشہ ہمیش کی جنت ہوگی یا ہمیشہ ہمیش کی سزا ہوگی دوزخ ہوگی۔ تو ہم نیک کام یا نیکی اس کام کو سمجھتے ہیں جو یہاں بھی اچھا ہو اس میں لوگوں کا فائدہ ہو، پڑوسی کی، دوست کی، ساتھی کی، والدین کی بہتری ہو اور آخرت میں بھی بہتر نتیجہ نکل آئے۔

نیکی ہے کیا؟ یہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں کوئی جذبہ ڈالا ہے، کوئی ایسی چیز ہمارے دل میں ہے کہ پہلے تو ہر انسان کو ایک احساس ہوتا ہے جیسے موبائل کی چارجنگ ختم ہو تو کوئی اشارہ ہو جاتا ہے یا گاڑی کا پٹرول ختم ہو جائے تو اس پر لال بتی جل جاتی ہے، اسی طرح آپ کوئی کام کریں اگر وہ کام اچھا ہے تو اندر سے شاباش ملے گی اندر سے کوئی چیز انسان کو شاباش دیتی ہے۔ آپ نماز پڑھیں، قرآن کی تلاوت کریں، کسی کا فائدہ کریں، کسی غریب کی مدد کر دیں، کوئی تکلیف میں ہے اس کی تکلیف رفع کرنے کے لئے اس کو دوائی لے کر دے دیں یا کسی بیمار کو ہسپتال پہنچا دیں، فرسٹ ایڈ دلا دیں۔ اور اگر کسی کے ساتھ زیادتی کر دیں، کسی کی چیز چھپا دیں اب وہ تلاش کر رہا ہے اس کو بڑی ضرورت ہے اور وہ پریشان ہے تو آپ کو اندر سے کوئی چیز کاٹے گی دل کے اندر سے کوئی احساس ہوگا کہ یہ میں نے غلطی کی ہے۔ اسی طرح کسی کا نقصان کر دینا، کسی کو گالی دینا، کسی کے ساتھ زیادتی کرنا اور بازار میں کم تولنا، ملاوٹ کرنا آپ چیز خریدنے جاتے ہیں وہ دو نمبر جعلی چیز پکڑا دیتے ہیں پیسے پورے لے لیتے ہیں اور چیز غلط دے دی۔ یہ وہ کام ہیں جس سے انسان کے دل کے اندر کوئی چیز CLICK کرتی ہے اور فوراً احساس ہوتا ہے کہ یہ تم نے غلطی کر دی اور اگر آدمی کا ضمیر زندہ ہو اور تو جوانی میں ضمیر زندہ ہوتا ہے تو آدمی کو بڑا احساس ہوتا ہے کہ یہ میں نے کیوں کر دیا اور مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہئے تھا۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ نے ہر انسان کے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ اس کے اندر ایک آواز انسان بولتا ہے یہ کام اچھا ہو گیا اور یہ کام غلط ہو گیا، فوراً احساس ہو جاتا ہے کہ یہ کام صحیح ہوا ہے یا غلط ہوا ہے۔

دوسری بات جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں ڈالی ہے وہ نیکی اور بدی میں فرق۔

جانوروں میں یہ احساس نہیں ہے، جانور کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ مالک کا چارہ کھا رہا ہے یا ساتھ والے کسی اور کے کھیت میں سے چارہ کھا رہا ہے، اسے احساس نہیں ہوتا کہ میں حلال کھا رہا ہوں حرام کھا رہا ہوں۔ یہ انسان کو احساس ہوتا ہے کہ میں اپنی چیز استعمال کر رہا ہوں، کسی کا حق تو نہیں مار رہا ہوں، کسی پر ظلم تو نہیں کر رہا ہوں۔ یہ فرق اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں ڈالا ہے۔ یہ دوسری چیز ہے جو انسان کے لئے اس کے دل میں ڈالی ہے کہ یہ جو کام ہے اچھا ہے یا برا ہے، نیکی ہے یا بدی ہے، اس کا بھی انسان کو فوراً احساس ہوتا ہے۔ اللہ نے انسان کے دل میں ڈالا ہے کہ وہ نیکی اور بھلائی کر کے کسی کی خدمت کرے۔ مثلاً آپ کا کوئی ساتھی ایسا ہے جس کے گھر کے معاشی حالات ٹھیک نہیں ہیں اس کے گھر کا خرچہ پورا نہیں ہوتا کوئی امیر ماں باپ کا بیٹا ہر مہینے چپکے سے اس کی مدد کر دے کہ اس کی پڑھائی چلتی رہے وہ پیچھے نہ رہ جائے تو اسے اندر سے خوشی ہوگی۔ نیکی کا کام کر کے اندر سے ایک شاباش ملتی ہے، آدمی ایک طرح کا سکون اور اطمینانِ قلب محسوس کرتا ہے۔ اور آدمی اگر کوئی غلط کام کرے، کسی کا نقصان کرے تو اس کے اندر ایک بے چینی پیدا ہو جاتی ہے، انسان کے اندر احساس ہوتا ہے کہ میں کوئی اُلٹا کام کر بیٹھا ہوں اور آدمی کو نہ لیٹے آرام آتا ہے نہ سوتے آرام آتا ہے، نہ اور کہیں سکون محسوس ہوتا ہے اپنے اندر پریشانی (GUILTY CONSCIENCE) محسوس کرتا ہے اور پریشان سا رہتا ہے اور ایک برائی، دوسری برائی، تیسری برائی اور برائیاں جمع ہوتی جائیں تو آدمی ہر وقت بہت زیادہ پریشان رہتا ہے۔ آج لوگوں کو جو معاشرے میں سکون نہیں ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم اللہ کی ایک نافرمانی کرتے ہیں اس کا ابھی اثر ختم نہیں ہوتا کہ ایک اور نافرمانی ہوگئی، اس کا اثر ختم نہیں ہوتا ایک اور نافرمانی ہوگئی تو ہم آج کل مسلسل پریشان ہیں اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم اللہ کی نافرمانی کر رہے ہیں ہم سے وہ کام سرزد ہو رہے ہیں جن سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔

تو نیکی کرنا ہر آدمی کی ضرورت ہے، آپ ہیں، میں ہوں، جو بھی بالغ ہے باشعور ہے اسے احساس ہوتا ہے کہ نیکی کا کام مجھے کرنا چاہئے تاکہ مجھے سکون حاصل ہو اور برائی سے بچنا غلط کام سے بچنا ایسا کام جس سے آدمی کا ضمیر مطمئن نہ ہو GUILTY CONSCIENCE محسوس کرے، اس سے بچنا یہ انسان کی ضرورت ہے۔ نیکی کر کے خوشی اور سکون محسوس ہوتا ہے انگریزی

میں نیکی کو VIRTUE کہتے ہیں۔آدمی کوئی نیکی کا کام کرے، بھلائی کا کام کرے، ویلفیئر کا کام کرے، یہ جوایدھی ٹرسٹ اور دوسرے ٹرسٹ ویلفیئر کے کام کررہے ہیں کوئی کسی کی خدمت کررہا ہے کوئی کسی کی، ہسپتال ہیں، غریبوں کا مفت علاج ہے، غریبوں کی مدد ہے یہ سارے کے سارے کام نیکی کے ہیں اور جوآدمی یہ کام کرتا ہے اس کو اندر ایک سکون محسوس ہوتا ہے کوئی شاباش دے نہ دے کوئی دیکھے نہ دیکھے سکون محسوس ہوتا ہے کہ میں نے نیکی کا کام کیا۔اگر آدمی اس کے الٹا کام کر دے جس سے لوگوں کا نقصان ہوتو اس سے آدمی کے اندر باطن میں بے چینی اور ایک خراب کیفیت پیدا ہوتی ہے اور آدمی GUILTY CONSCIENCE محسوس کرتا ہے۔

نیکی کو عربی میں بِرّ کہتے ہیں اور انگریزی میں VIRTUE کہتے ہیں۔

آج ہم قرآن مجید کی دوسرے پارے میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 177 پڑھیں گے۔ ایک ہی آیت ہے ذرا لمبی سی ہے لیکن اس میں اللہ پاک نے ایک سوال کرکے پھر اس کا جواب دیا ہے کہ نیکی کہتے کسے ہیں؟ اس لئے کہ یہ ہر شخص کی ضرورت ہے۔سمجھانے کے لئے یہ عام بات کہی جاسکتی ہے کہ جس طرح ہر آدمی کے لئے کہ گھی کھانا ایک ضرورت ہے، آدمی کو کھانے میں کاربوہائیڈریٹ (روغنیات) چاہئیں جو کہ ہر آدمی کی ضرورت ہے ہر بچے، جوان، بوڑھے سب کی ضرورت ہے دودھ ہم پیتے ہیں، گھی استعمال کرتے ہیں وغیرہ سب اسی لئے کرتے ہیں کہ انسان کے جسم کی ضرورت ہے کھانا ہضم نہیں ہوتا تو آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ سب سے اچھا روغن (OIL) جو استعمال کیا جاسکتا ہے وہ تو دیسی گھی ہے انسان کے جسم کے ساتھ جو سب سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے، لیکن وہ بہت مہنگا ہے، AVAILABLE نہیں ہے اب کیا ہوگا اگر دیسی گھی مل جائے تو سب سے اچھی بات ہے لیکن اگر دیسی گھی نہ ملے تو کیا کریں گے، بھوکے تو نہیں رہیں گے ظاہر ہے وہ بھی مجبوری ہے کہ کھانا کھانا ہے تین دفعہ نہیں تو دو دفعہ تو انسان کو ضرور کھانا پڑتا ہے۔اب دیسی گھی نہ ملے تو ہر آدمی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ چلو یار کوئی بناسپتی گھی مل جائے ویجٹیبل گھی، کوکنگ آئل مل جائے کچھ مل جائے حتیٰ کہ سرسوں کا تیل مل جائے اسی میں کوئی چیز پکا کے کھا لو کہ نہ ہونے سے تو یہ بہتر ہے۔اسی طرح نیکی کے معاملے میں بھی انسان BEST AVAILABLE چیز اختیار کرلیتا ہے۔نیکی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بتا رہا ہے

اور نیکی کا کام وہ ہے جو محمد ﷺ بتائیں گے اس لئے کہ ان پر وحی آتی تھی اور وہ ہمیں بتا رہے تھے۔ لیکن اگر ہمیں یہ پتا نہ چلے کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے قرآن نے نیکی کو کیا DEFINE کیا ہے اور کن کاموں کو نیکی کہا ہے؟ تو پھر اسی طرح ہوگا جیسے دیسی گھی میسر نہیں ہے تو کیا کیا جائے چلو جو چیز ملتی ہے وہی لے لو۔ لوگ بازار کی چیز کھا لیتے ہیں پتا نہیں وہ کونسا گھی اور کون سا آئل استعمال کرتے ہیں۔ اگر اعلیٰ چیز میسر نہیں ہے تو انسان کم تر چیز پر آدمی گزارا کر لیتا ہے۔ نیکی کے معاملے میں بھی آج کا عام انسان اگر اس کے سامنے قرآن کا تصور نہیں ہے تو آدمی قرآن سے ہٹ کر کسی چیز کو بھی خود نیکی قرار دے لیتا ہے کہ یہ نیکی کا کام ہے اور پھر اسی کو کرنے لگ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نیکی کا کام کر رہا ہوں۔

ہمارے معاشرے میں اس کی مثالیں بہت ہیں۔ ہر آدمی کسی ایک کام میں دین کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور دوسرے کام اپنے طور پر نیکی سمجھ کر اس کو کر رہا ہے۔ لوگ چوری کر رہے ہیں، ڈاکے ڈال رہے ہیں، ملاوٹ کر رہے ہیں، دو نمبر چیزیں بیچ رہے ہیں، کم تول رہے ہیں، لیکن ساتھ وہ کچھ غریبوں کی خدمت بھی کر دیتے ہیں تو وہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ نیکی کا کام ہے میں غریبوں کی خدمت کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ میری غلطیاں معاف کر دے گا۔ اسی طرح معاشرے میں اور بہت سارے کام ہیں کہ ایک طرف غلط کام کر رہے ہیں دوسری طرف دل کو سکون دینے کے لئے کچھ نیکی کے کام کر لیتے ہیں تسلی کے لئے دکھانے کے لئے۔

قرآن مجید بتا رہا ہے کہ نیکی کسے کہتے ہیں۔ اس آیت کے ترجمے سے پہلے ایک بات اور ہے جو آپ سامنے رکھیں کہ ہم انسان ہیں اور اللہ نے ہمیں انسان بنایا ہے اور انسان اشرف المخلوقات ہے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا شکر ہے۔ تو ہماری زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں: ایک ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے کوئی آ رہا ہو تو ہم اس کا ظاہر دیکھتے ہیں کہ اس نے کونسے کپڑے پہنے ہوئے ہیں کیسی خوشبو لگائی ہوئی ہے اور جوتا کونسا پہنا ہوا ہے صاف ستھرا ہے کہ نہیں ہے۔ دوسرا انسان کا باطن ہے مثلاً اس وقت جبکہ آپ یہ لیکچر سن رہے ہیں آپ کا دل ہے، آپ کے خیالات ہیں، آپ کے اندر خیالات کی ایک رو چل رہی ہے جیسے ندی یا دریا چلتا ہے۔ کوئی میری بات سن کر اس سے کوئی نتیجہ نکال رہا ہے، کسی کو گھر یاد آ رہا ہے، کسی کو کلاس روم یاد آ رہا ہے، کسی کو کوئی اور کام یہاں یاد آ رہا

ہے۔ ہر آدمی کا ایک ظاہر ہے جو ہم ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور ایک انسان کا باطن (INTERIOR) ہے اس کا دل ہے اس کا ضمیر ہے، اس کے اندر جہاں وہ خود خیالات میں مگن ہوتا ہے۔ جب آپ کلاس ATTEND کر رہے ہوتے ہیں ٹیچر کبھی کبھی کسی بچے سے سوال پوچھتا ہے کہ میں نے کیا کہا ہے؟ بچہ کھڑا ہوتا ہے اسے پتا ہی نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ اپنے خیالات میں گم ہوتا ہے، وہ بچہ ABSENT MINDED ہوتا ہے کیوں کہ اس کو اپنے خیالات آرہے ہوتے ہیں تو کلاس روم میں جو کچھ پڑھایا جا رہا ہے اس کو پتا نہیں ہوتا اس پر توجہ نہیں کرتا۔ تو ہر انسان کا ایک ظاہر ہے جو ہم دیکھتے ہیں جس کو دوسرا آدمی محسوس کر سکتا ہے۔ ایک اسی وقت انسان کا ایک باطن (INTERIOR) ہوتا ہے۔

قرآن مجید جو بات کرتا وہ یہ ہے نیکی کا کام صرف ظاہر میں نہیں ہونا چاہئے کہ لوگوں کو نظر آ رہا ہو بلکہ تمہارے اندر جو نیت ہو، جو ارادہ ہو، جو سوچ ہو وہ بھی نیک ہونی چاہئے تب وہ نیکی کا کام ہوگا ورنہ بظاہر تو آپ نیکی کا کام کر رہے ہوں گے حقیقت میں اگر آپ کا ارادہ، آپ کی نیت اور آپ کی باطنی کیفیات وہ نہیں ہیں کہ واقعی مجھے نیکی کرنی ہے تو اس سے وہ فائدہ تو نہیں ہوسکتا۔ تو قرآن مجید باطن پر زیادہ توجہ دیتا ہے کہ باطن ٹھیک ہو جائے گا انسان کا دل ٹھیک ہو جائے گا انسان کا ضمیر ٹھیک ہو جائے گا، انسان کا CONSCIENCE ٹھیک ہو جائے گا تو انسان کے اعمال بالکل صحیح ہو جائیں گے اور اگر کبھی آدمی کوئی کام کرتا ہے بظاہر لوگ کہتے ہیں کوئی بات نہیں ٹھیک ہے لیکن اس کی نیت شرارت کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کام کا نیکی کا بدلہ نہیں دیں گے اللہ تعالیٰ تو جانتے ہیں کہ اس نے شرارت کی ہے۔ بظاہر کسی کا اتنا بڑا نقصان نہیں ہوا لیکن اس نے تو اپنے طور پر سوچا تھا کہ اس کا نقصان ہو جائے۔ تو ہر انسان کا ایک INTERIOR اور ایک اس کے اعمال کا ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ہمیں توجہ دلاتے ہیں کہ ہمارا ظاہر بھی ٹھیک ہونا چاہئے اور ہماری نیت، ارادہ، باطن، ضمیر بھی ٹھیک ہونا چاہئے۔ یہ دونوں باتیں ٹھیک ہوں گی تب ہم آخرت میں کامیاب ہوسکیں گے۔ قرآن مجید میں کہا گیا ہے: وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ (120:06) گناہ کے جو کام ہیں ان کے ظاہر سے بھی بچو اور ان کے باطن جو چھپے ہوئے گناہ ہوتے ہیں جو دل میں کیفیت ہوتی ہے اس سے بھی بچو۔ تو یہاں نیکی کی بات کرتے

ہوئے ابھی ترجمہ میں یہ بات سامنے آئے گی کہ ایک نیکی کا ظاہر ہے نماز پڑھنا، قرآن پڑھنا کوئی اور نیکی کا کام کرنا اور ایک اس کے پیچھے انسان کا ایک جذبہ ہے نیت ہے MOTIVE ہے۔ ہر کام کرتے ہوئے جو اس کا MOTIVE ہوتا ہے اصل میں اسی کا نتیجہ نکلتا ہے۔ جیسی نیت ویسی مراد۔ نیت اچھی ہوگی تو اللہ تعالیٰ نتیجہ اچھا دیتا ہے اور بعض اوقات نتیجہ نہ بھی نکلے تو بھی نیت اچھی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کام کا آدمی کو اچھا ہی بدلہ دے دیتا ہے کہ اس کی نیت تو اچھی تھی حالات نہیں تھے تو نتیجہ نہیں نکلا۔ تو نیت پر قرآن مجید بہت زیادہ بات کرتا ہے باطن پر، ضمیر پر، جو ہمارا INTERIOR ہے اس پر زیادہ بات کرتا ہے۔

ابھی میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ فرمایا:

لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ

عربی میں 'بِرّ' کہتے ہیں، اردو میں ہم نیکی کہتے ہیں، انگریزی میں VIRTUE کہتے ہیں۔ ہر آدمی کی ضرورت ہے کہ وہ نیکی کا کام کرے اور نیکی انسان کو سکون دلاتی ہے اور نیکی نہ کی جائے الٹے کام کیے جائیں تو آدمی باطنی طور پر پریشان رہتا ہے کہ بے سکونی ہوتی ہے آج بے شمار لوگ اس کیفیت میں مبتلا ہیں۔ ہمارا قرآن مجید اور ہمارا دین تو یہ کہتا ہے کہ آدمی کا اصل سکون سکونِ قلب ہے اگرچہ مغرب اس طرح نہیں مانتا، مغرب کی اصطلاح PEACE OF MIND ہے وہ MIND پر زیادہ توجہ دیتے ہیں کہ دماغی سکون انسان کو ہونا چاہئے لیکن دماغی سکون بھی قلبی سکون کا ہی نتیجہ ہو سکتا ہے۔ تو قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ آدمی نیکی کرنے پر مجبور ہے۔

'بِـرّ' عربی میں نیکی کو کہتے ہیں اور 'بَـرّ' نیک آدمی کو کہتے ہیں، یہ زیر اور زبر کے فرق کے ساتھ دو الفاظ ہیں۔ فرمایا: لَیۡسَ الۡبِرَّ ''نیکی یہ نہیں ہے''، اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ ''کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ''۔ نماز کا وقت ہے کوئی نوجوان آیا اور اللہ اکبر کہہ کر نماز جلدی جلدی پڑھی اور چلا گیا۔ قرآن مجید میں کہا جا رہا ہے کہ یہ نیکی نہیں ہے۔ نیکی کیا ہے؟ آگے فرمایا: وَلٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ ''بلکہ نیک تو وہ شخص ہے''

قرآن مجید جو بات بتا رہا ہے اسے سمجھیں۔ ایک ہوتا ہے کام یا عمل، انگریزی میں DEED لفظ ہوتا ہے، ہم کچھ کام کرتے ہیں کوئی آ رہا ہے، جا رہا ہے، بیٹھا ہے، کوئی سو رہا ہے، کوئی

پڑھ رہا ہے، کوئی لیٹا ہوا ہے، کوئی سیر کر رہا ہے، کوئی نماز پڑھ رہا ہے، کوئی قرآن پڑھ رہا ہے یہ کام ہیں ہمارے جو بظاہر نظر آتے ہیں جبکہ قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ نیک 'آدمی' ہوتا ہے، نیک PERSONALITY ہوتا ہے۔ کوئی PERSON نیک ہوتا ہے یا بد ہوتا ہے۔ ہم کاموں کو نیک اور برا سمجھتے ہیں، اس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ اگر کوئی آدمی نیک ہو جائے اس کا سونا، اس کا جاگنا، اس کا اٹھنا، اس کا بیٹھنا، اس کا سیر کرنا، اس کا پڑھنا پڑھانا، دوستوں کے ساتھ گفتگو کرنا، تھوڑی دیر کھیل لینا...... ہر کام نیکی کا کام ہے۔ اور اگر کوئی آدمی برا ہے اس کا اندر برا ہے وہ آدمی چاہے نماز پڑھ رہا ہے تو وہ نیکی کا کام نہیں ہے بہت بڑا فرق ہے سوچنے کی بات ہے۔ ہم کچھ کاموں کو نیکی کے کام سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر ابھی یہ محرم کا مہینہ ہے دسویں محرم کو اور اس سے پہلے بھی کچھ لوگ دیگیں پکا دیتے ہیں غریبوں کی خدمت ہو رہی ہے۔ ربیع الاوّل کے مہینہ میں بھی اسی طرح ہوتا ہے کوئی دس دیگیں پکا رہا ہے کوئی بیس پکا رہا ہے غریب کھا رہے ہیں۔ کوئی آدمی مسجد کی مدد کر دیتا ہے، قالین بچھوا دیتا ہے، ائیر کنڈیشنر لگوا دیتا ہے........... یہ کام ہیں۔ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ آدمی بہت اچھا ہے اس نے اپنے پیسوں سے دس دیگیں پکوا دی ہیں، 50,000 لگا دیا، اس نے مسجد کا کام کروا دیا اس نے مسجد میں اے سی لگوا دیا۔ ہم کاموں کو دیکھتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نیت کو دیکھتے ہیں۔ ہم نیت نہیں دیکھ سکتے ایک دوسرے کی، اس لئے ہم کاموں کو دیکھتے ہیں۔ آپ کے دل میں کیا ہے میرے دل میں کیا ہے آپ کا MOTIVE کیا ہے، میرا MOTIVE کیا ہے آپ کی نیت کیا ہے میری نیت کیا ہے؟ ہم اس کو نہیں دیکھ سکتے، اللہ نے راز رکھا ہوا ہے۔ اللہ سب نیتیں جانتا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ اس آدمی نے جو دیگیں پکائی ہیں اور اس آدمی نے جو میری مسجد میں 2 لاکھ روپیہ لگا دیا ہے اے سی لگوانے کے لئے، یہ پیسہ کہاں سے آیا ہے یہ حلال کا تھا، حرام کا تھا، چوری کا تھا، سمگلنگ کا تھا، ہیروئن بیچ کے آیا تھا یا اور کوئی دھندا کر کے آیا تھا کہاں سے آیا تھا۔ ہم نہیں جانتے ہوتے اس لیے ہم اس کی تعریف کر دیتے ہیں کہ ماشاء اللہ کیا بڑا کام کیا ہے جنت اس کو مل جائے گی اس نے مسجد کی خدمت کر دی ہے نمازیوں کے لیے سہولت پیدا کر دی ہے۔ جبکہ اللہ اس کام کو بھی جانتے ہیں جو اس نے پیسے لگائے ہیں اور اس کے سارے ماضی کو اور اس کی نیت کو بھی جانتے ہیں یہ کس لیے لگائے ہیں۔ الیکشن قریب آ رہے ہوتے ہیں تو

اس پر بے شمار لوگ غریبوں کی بستیوں کا رخ کرتے ہیں، غریبوں کے بچوں کو اٹھا رہے ہیں، ان میں آٹا تقسیم کر رہے ہیں، اس میں چیزیں تقسیم کر رہے ہیں۔ ایک آدمی سارا سال اللہ کے لئے تقسیم کرتا رہتا ہے وہ غریبوں کے بچوں کو اٹھاتا ہے ان میں اشیاء تقسیم کرتا ہے ان کی خدمت کرتا ہے وہ تو اللہ کے لئے کر رہا ہے۔ ایک آدمی وقتی طور پر کرتا ہے کہ دو چار مہینوں میں الیکشن کا اعلان ہونے والا ہے ذرا کوشش کرو، ووٹ لینے ہیں، نام بناؤ، ان کے ہاں جاؤ۔ وہ وقتی طور پر جاتے ہیں۔ اس شخص کا جو عام طور پر وہ عوام کی خدمت نہیں کرتا، ان الیکشن کے دنوں میں محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا بھی الیکشن کی سیاست میں شمار ہوتا ہے اور اگر وہ کبھی کبھی عام دنوں میں بھی غریبوں کی خدمت کرتا ہے LOOK AFTER کرتا رہتا ہے تو اللہ بھی جانتا ہے اور بندہ بھی جانتا ہے کہ میں تو مسلسل ہی کرتا رہتا ہوں الیکشن سیزن سے میرا معاملہ نہیں ہے میں تو اللہ کے لئے کرتا رہتا ہوں جب ضرورت ہوتی ہے جب کچھ پیسہ آجاتا ہے غریبوں پر لگا دیتا ہوں۔ اِس میں اور اُس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اللہ نیتوں کو دیکھتا ہے اللہ MOTIVES کو دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ کون آدمی نیک ہے بس یہ فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ بندہ نیک ہونا چاہئے ہم کاموں کو دیکھتے ہیں ہم یہ نہیں دیکھتے کہ پیسہ کہاں سے آگیا ہے جو پچاس ہزار اس نے دیگوں پر لگا دیا ہے۔ آج کے دور میں حلال آمدنی سے تو گھر چلانا مشکل ہے یہ پچاس ہزار اس کے پاس کہاں سے نکل آیا جو اس نے دیگیں پکا دی تھیں۔ ہم یہ نہیں دیکھتے ہم وہیں کھڑے کھڑے اس کو کہہ دیتے ہیں کہ یار بڑا نیک آدمی ہے۔

یہاں فرمایا گیا کہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جانا یہ نیکی نہیں ہے۔ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ 'مَنْ' کا لفظ آیا ہے یعنی نیک تو وہ شخص ہے، وہ PERSONALTY نیک ہے جس کا آگے ذکر آ رہا ہے۔ یہ آدمی اگر ایسا ہو تو پھر وہ جو کام کرے گا وہ نیکی کا کام ہوگا۔ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَ الْکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ ۔ وہ بندہ، وہ انسان وہ PERSON نیک ہے جو ایمان لایا اللہ پر، آخرت (قیامت) کے دن پر اور فرشتوں، کتاب (وحی) اور نبیوں پر۔ یہ پہلی شرط ہے کہ تب آدمی نیک بنے گا جب وہ ایمان والا ہوگا۔ یہ قرآن مجید بہت وضاحت کے ساتھ کہہ رہا ہے۔ دیکھو! غیر مسلم بھی بہت سارے ویلفیئر کے کام کرتے ہیں۔

مغرب ہے، یورپ ہے، امریکہ ہے اور ہمارے ہاں بھی غیر مسلم ہیں وہ بھی ویلفیئر کے کام کرتے رہتے ہیں۔ لیکن آپ خود سوچیے جو آدمی آخرت کو نہیں مانتا وہ اپنی جیب میں سے کسی کو سو، دوسو، پانچ سو، ہزار روپے نکال کے دے گا تو کیوں دے گا؟ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ ہمارے ہاں کبھی کبھی سیلاب آجاتا ہے 2005ء میں زلزلہ آیا گیا تھا اس کے بعد پچھلے سال سیلاب آگیا تھا اس سے پچھلے سال بھی سیلاب آگیا۔ یہاں کے لوگ جتنی مدد کرتے ہیں، ہم مسلمان ہیں ہمیں آخرت کا یقین ہے وہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں ہم جتنی مدد کرتے ہیں امریکہ و یورپ اور غیر مسلم دنیا میں اس کا سوچا نہیں جا سکتا کہ وہ اس طرح مدد کریں گے۔ ان کی حکومت مدد کرتی ہے لیکن عوام مدد نہیں کرتی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کیوں مدد کریں، حکومت جانے وہ جانیں ہم اپنے گھر میں اپنا وقت گزار رہے ہیں کما رہے ہیں کھا رہے ہیں۔ تو ہم مسلمان آخرت کا یقین رکھتے ہیں اس کی وجہ سے ہم دوسروں پر خرچ کرتے ہیں ہمیں یقین ہے کہ ہمیں آخرت میں اجر مل جائے گا۔ لیکن غیر مسلم اس کو مانتے ہی نہیں۔ آپ نے وہ انگریزی زبان کا محاورہ سنا ہوگا، ویسٹ کے ہاں تو "HONESTY IS THE BEST POLICY" کے طور پر کام ہوتا ہے۔ کسی کی خدمت کرنے کا MOTIVE اور ہی کوئی ہو سکتا ہے ان کے ہاں HONESTY (دیانت داری) ایک پالیسی کے طور پر ہے۔ کاروبار چمکانا ہے، کئی نسلیں چلانا ہے، کسی کمپنی یا BUSINESS کو سو سال، دوسو سال چلانا ہے تو دیانت داری سے کام کرنا ہے بس، ورنہ نہیں چاہیے۔ وہ HONESTY ایک پالیسی کے طور پر لے کر چلتے ہیں۔ جبکہ ہمارے دین میں HONESTY اللہ کا حکم ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ہے۔ کاروبار چلے نہ چلے ہمیں تو HONESTY ہی کرنی ہے۔ قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ نیک آدمی مسلمان ہوتا ہے اور اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے اندر ایمان ہونا چاہیے۔ (جاری ہے)

تبصرہ وتعارف کتب

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

1 اسلام اور جدید سائنس نئے تناظر میں

محمد ظفر اقبال

زیر تبصرہ کتاب ڈاکٹر ذاکر نائیک اور ڈاکٹر ولیم کیمپ بل کے مابین ہونے والے مناظرے کا بسیط جائزہ اور محاکمہ ہے۔ صاحب تصنیف کا دعویٰ ہے کہ ''جب یہ کہا جاتا ہے کہ مذہب سائنس ہے اور سائنس مذہب، یا اسلام سائنسی مذہب ہے تو اس دعوے میں دین کے بنیادی مآخذ یعنی قرآن، سنت، اجماع اور قیاس میں اور ذاتِ رسالت مآب ﷺ میں کذب، شک، تردید، تنسیخ اور ترمیم کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر انہوں نے تحریر کیا ہے:

> ''ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کے مطبوعہ خطبات اور مناظروں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آئی کہ اسلام اور سائنس پر گفتگو کے دوران ان سے نہایت اخلاص کے ساتھ فاش اور گمراہ کن غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ لیکن اخلاص اغلاط کا ازالہ نہیں کر سکتا اور ان اغلاط کے علمی محاکمے اور نقد کے سلسلے میں یہ کتاب تحریر کی گئی ہے۔''

ڈاکٹر ذاکر صاحب کی علمی تشنگی کے بارے میں جس تفصیل کے ساتھ انہوں نے اپنی کتاب میں جائزہ لیا ہے یقیناً نقد ونظر، جرح وتعدیل اور تقابلی مطالعہ اسلام میں یہ ایک نئی جہت ہے۔

صاحب تصنیف سائنسی و مذہبی مناہج میں تطبیق کی بجائے تفریق کے نظریہ کے داعی

ہیں اور مذاہب عالم کے انحطاط کو منطقی و یونانی علوم کے اختلاط کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ جدید سائنس اور مذہب، کلیسا اور سائنس، قرآن اور سائنس کے عناوین کے علاوہ دہشت گردی، خواتین کے سیاسی و معاشی حقوق اور دعوت نبوی ﷺ کے مناہج ایسے تحقیقی مقالات اور ضمیمہ جات پر مشتمل ناقدانہ مباحث جدالِ احسن کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔ علوم اسلامیہ کی تمام لائبریریوں اور تقابل ادیان میں بطور نصاب شامل کرنے سے اہل علم و دانش اس سے استفادہ کرسکیں گے۔

(قیمت: 160۔ ناشر: نوادرات، ۲۳۲۔ فتح شیر کالونی نزد ایوب مسجد مین مارکیٹ، ساہیوال)

2 اسلامی جمہوریہ پاکستان میں صرف ایک عید

بابائے عربی مولانا محمد بشیر

زیر تبصرہ تصنیف رؤیت ہلال، رمضان اور عید کے مسائل پر مشاہیر کے فتاویٰ اور انٹرویوز پر مشتمل ہے۔ اختلافِ مطالع پر علماء کے جوابات کی صورت میں ایک وقیع ذخیرہ علمی حسن ترتیب سے آراستہ کر کے شائع کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ رؤیت ہلال کے نزاع کو پاکستان میں جلد از جلد ختم کیا جائے تا کہ مسلمانانِ پاکستان ایک ہی روز عید منانے کی روایت قائم کرسکیں اور عیدین کے موقع پر انتشار کی فضا سے محفوظ رہیں۔

تاہم مصنف کے لیے یہ سوال حل طلب رہے گا کہ آیا رؤیت ہلال کا اثر آج کی موجودہ جغرافیائی تقسیم یعنی موجودہ ممالک جو بدقسمتی سے استعماری طاقتوں کی سازشوں کا نتیجہ ہے پر ہوگا؟ یا پھر رؤیت ہلال کے اثرات کا تعین جدید فلکیاتی علوم اور اسلام کی روشنی میں از سر نو کیا جائے گا۔ مراد یہ ہے کہ اگر چاند اہل بلوچستان دیکھتے ہیں تو کس علاقہ پر یہ رؤیت مؤثر ہوگی اور اگر چاند پختون علاقوں میں نظر آئے گا تو اس کے اثرات کہاں تک ہوں گے۔ (کارڈ بائنڈنگ، عمدہ طباعت، 140 صفحات۔ ناشر: دار العلم، ۶۹۹۔ آبپارہ مارکیٹ، اسلام آباد)

3 نقوشِ زندگی

خود نوشت سوانح حیات

حضرت مولانا محمد عبدالمعبود مدظلہ

اہتمام ونگرانی: مولانا عبدالقیوم حقانی

زیر تبصرہ کتاب اسلامی سوانحی لٹریچر میں گراں قدر اضافہ ہے۔خصوصاً علمائے دیوبند کی ذاتی سوانحی کتب میں یہ ایک رہنما اور مشعل رُاہ کتاب ہے۔ایک عالم دین کی خودنوشت بھی قارئین کے دل ودماغ کوزندگی کی پر پیچ راہوں سے سہل انداز میں گزر جانے کا گر سکھاتی ہے۔عہد طفولیت سے شباب اور پھر پیری کی دشوار ساعتوں تک کا تمام تفصیلی تذکرہ کتابِ ہٰذا میں موجود ہے۔خصوصاً عصر حاضر کی عظیم شخصیات سے بالمشافہ ملاقاتیں اور ان کے تذکرے اس شاہکار کتاب کی اہم خوبی ہے۔حیاتِ فانی کے تجربے، علمی مراحل اور حسین لمحات کو جس خوبصورت انداز سے بیان کیا گیا ہے شاید یہ کسی اور سوانحی کتاب میں نہ ہو۔تصوف کے دلدادہ افراد کے لیے رہنما، علماء کے لیے یہ سبق آموز، اساتذہ کے لیے رہبر اور طلب علم کی صبر آزما راہوں پر چلنے والوں کے لیے ایک مفید کتاب ہے۔عام قارئین کے لیے دلچسپ حکایات سے بھرپور یہ تصنیف دینی کتب خانوں کی زینت بننے کے لائق ہے۔(252 صفحات، ناشر: القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ' خالق آباد' نوشہرہ)

4 تذکرہ وسوانح

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد

مولانا عبدالقیوم حقانی

زیر تبصرہ کتاب دراصل تذکرہ ہائے آزاد سے امام الہند کے مولد ومسکن، نام ونسب،

عہد طفولیت، تعلیم و تربیت، ذہانت و ذکاوت، کردار و سیرت، معمولات و ذوقِ عبادت، تالیف و صحافت، پر خار وادئ سیاست میں اُن کی استقامت، فقر و غنا، زنداں کی اسارت، ایمان افروز محیر العقول حالات وواقعات اور حیات درونِ خانہ کے لمحات کا ایک خوبصورت انتخاب ہے۔

مؤلف کتب کثیرہ کے معروف مصنف اور میدانِ تحقیق کے عظیم شہ سوار ہیں یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جن کتب سے ان جواہر ریزوں کو منتخب کیا ان کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے اور یہی محقق کا خوبصورت وصف ہے اور اس پر مستزاد اُنہیں خوبصورت پیرایوں میں ترتیب دینا اور اُن کا اسلوبِ اظہار ہے جو قارئین کو بحر حیرت میں ڈبو دیا کرتا ہے۔ یہ کتاب جبل عزم وحوصلہ ایسے یگانہ روزگار کا خوبصورت تذکرہ تو ہے ہی لیکن علم وادب کا حسین شاہکار بھی ہے۔ اور ہر لائبریری کے لیے ناگزیر ہے۔ (صفحات: 215۔ ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ)

اساتذہ وطلبہ اور شائقین علم حدیث کے لیے نادر علمی تحفہ، عظیم خوشخبری اور شہ کار پیش کش

حدیث کی جلیل القدر کتاب ''صحیح مسلم'' کی مبسوط ومدلل توضیح   تالیف: شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی

شرح صحیح مسلم اپنے طرز کی پہلی، انوکھی، دلچسپ اور مفصل اردو شرح،

اہم موضوعات پر محدثانہ، فقیہانہ اور حکیمانہ گفتگو، خالص درسی اور تدریسی انداز

جلد ۱: مقدمہ صحیح مسلم...... فن اسماء الرجال اور علم جرح وتعدیل کا علمی اور تحقیقی جائزہ (صفحات ۵۷۶)

جلد ۲: راویانِ مقدمہ...... ۲۹۷ ر راویانِ مقدمہ کو مفصل تذکرہ (صفحات ۵۲۸)

جلد ۳: کتاب الایمان...... ۱۶ ر ابواب، ۱۷ ر احادیث کی مفصل توضیح اور ۱۵۰ ر رواۃ کا جامع تذکرہ (صفحات ۵۸۰)

جلد ۴: کتاب الایمان...... ۲۷ ر ابواب، ۱۱۴ ر احادیث کی مفصل توضیح اور ۱۲۱ ر رواۃ کا جامع تذکرہ (صفحات ۵۵۰)

جلد ۵: کتاب الایمان...... ۳۳ ر ابواب، ۱۲۹ ر احادیث کی مفصل توضیح اور ۱۱۳ ر رواۃ کا جامع تذکرہ (صفحات ۵۹۱)

جلد ۶: کتاب الایمان...... ۱۹ ر ابواب، ۱۲۲ ر احادیث کی مفصل توضیح اور ۶۵ ر رواۃ کا جامع تذکرہ (صفحات ۶۰۸)

مزید کام جاری ہے   اساتذہ اور طلبہ اور مدارس کیلئے خصوصی رعایت

فی جلد ہدیہ ۶۰۰ روپے۔ تقریباً ۳۵۰۰ صفحات پر مشتمل سیٹ کا ہدیہ ۳۶۰۰ روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ۔ خیبر پختونخواہ پاکستان

0301-3019928---0246-4010613---0333-6544850

New World Order

New World System

Muhammad Faheem

عصر حاضر میں ایک عالمگیر حیوانی تہذیب کسی بھی ایک ملک کے عوام کی اُمنگوں اور خواہشوں کے تسلسل اور تکمیلی شان کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تہذیب عالمی صہیونی استعماری گروہ کے عالمی غلبے کے خواب کی تکمیل کے لئے ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق انسانیت کو بس ایک ایسا حیوان جو اپنی جسمانی (بطن وفرج کی) خواہشات کی تکمیل کے لئے ہر دم کوشاں ہو بلکہ مشغول اور دیوانہ بن کر رہے تا کہ عالمی سطح پر ہر صہیونی استعماری قوت اپنی بنائی ہوئی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے اپنی مصنوعات فروخت کر کے ان انسان نما حیوانوں کی جیبوں کو صاف کرتی رہیں۔

آج انسان کے جسم میں پاؤں کے تلووں اور ناخنوں سے لیکر سر کے بالوں تک بناوت وسجاوٹ کے لئے سینکڑوں ملٹی نیشنلز ہیں جو مصروفِ کار ہیں جنہوں نے میڈیا کے ذریعے اشتہار بازی کر کے، فلموں، ڈراموں اور بے حیائی کے دیگر ذرائع کو استعمال کر کے اولادِ آدم کو اپنی مصنوعات خریدنے کے لئے دیوانہ بنا رکھا ہے۔ یہ عالمی تہذیب یہودی گروہ کے زیر اثر ہے اور مغربی ممالک کے عوام بھی اس تہذیب سے اتنے ہی نالاں ہیں جتنے ہم مسلمان۔ امریکہ میں کچھ لوگ اس مقصد کے لئے عوام کی بیداری کا کام کر رہے ان کی ایک ویب سائٹ سے یہ مواد اختصار کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے جو ایک امریکی باضمیر شہری نے 1969ء کے ایک لیکچر کو اپنی یادداشت کی بنیاد پر 1989ء میں لوگوں کے سامنے رکھا کہ نیو ورلڈ آرڈر جو دراصل جیو (JEW) ورلڈ آرڈر ہے اس کے خدو خال اس صہیونی ٹولے کے ذہن میں 1969ء میں بھی اُتنے ہی واضح تھے جتنے آج امریکی عوام اور دنیا کے پڑھے لکھے مخلص، طبقے کے سامنے آگئے ہیں پڑھیں اور صہیونیت کو داد دیتے جائیں اس لئے کہ GIVE THE DEVIL HIS DUE یہ بھی انصاف کا ایک تقاضا ہے۔ مکمل مواد ویب سائٹ کے اس ایڈریس پر دیکھا جا سکتا ہے:

Http://www.rense.com/general94/nwoplans.htm(ادارہ)

Startling Revelations by an Insider

Consequent upon the dismemberment of the then USSR in late 80s, there was a great outcry that the world was no more a bipolar entity and America has to be recognized as the lonely superpower without hesitation. At the same time the invisible forces had sent across an ambiguous message to acquaint the world with the secretly planned New World Order, a new system that was to replace all that was old and traditionally adopted by the world communities at large. The terminology New World Order, though widely known, had yet not so far been clearly understood as to what it really meant, what its objectives and target were and who the forces behind it were. Surprisingly, there were some startling revelations by a man named Dr. Richard Day, who was an insider and one of the important promoters of the New World System as they called it. The revelations he made have mostly come to fore so far and the changes that were forecast are unfolding as the time goes forward.

(Edited by Muhammad Faheem)

It was the 20th of March 1969 when Dr. Richard Day had delivered a lecture to an audience of about 80 doctors connected with the Pediatric Society in Pittsburg . One of the participants in that gathering, Dr. Lawrence Dunegan, a one time student of Dr. Richard, had transcribed from his memory the contents of the lecture some 20 years afterward in 1988. Dr. Richard Day who died in 1989 was a professor of Pediatrics in the Mount Sinai Medical School in New York and had been a medical director of the Planned Parenthood Federation of America previously. The transcript of the 2 tapes is presented herewith after some editing.

Every agenda item in the lecture had a basic and real objective and a second ostensible one so as to make the things acceptable under its cover. The lecture is in fact an embodiment of some prophesies which were to occur in the future. As earlier mentioned the man was one of the 'insiders' and promoters of the future system named as the "New World System". He had a categorical mention of a well organized and influential force behind this program. His very foretells in his lecture had mostly come into fore within 20 years. He had also foretold that the total changes will reach completion within 30 years, before the end of the 20th century. He had ardently declared that they would enter into the 21st century with all the things to have undergone complete change and the New World System would be fully in place by then. Mr. Day had spoken that necessary things were in place and that there was no obstacle in the way to switch over to the new system. He spoke of the East West reconciliation and of people's ignorance about the real power centers where decisions were finalized and governments made and policies approved. These were familiar personalities and organizations, he argued, but mostly in private capacities and not so conspicuous in public life.

During his talk he was stressing not to use any recorder and take no notes as he feared a negative reaction if the contents were made public. His tune and way of talk was clearly marking his unhappiness with the 'change' albeit himself being a part of the game. He seemed to be wishing people's opposition to the-would- be New-World-System and that the people should not accept it with easy acquiescence.

Talking on the family planning he said the purpose was to control population, stressing on food, living space and other necessities. There will be no bar on free sex but births should be controlled through the use of contraceptive and abortions. Sex education was to be popularized in schools and augmented with contraceptives, and demonstration of practical methods of birth control. School-based clinics system was in place already for the purpose. The real objective was to cut off legal marriages and promote environment for free sex. Prior to 1969 such things were not considered illegal but still few people were there who were against them on moral or religious ground. They were, anyhow, helpless to yield to the practice in case their own children were involved. Few orthodox people could not be a matter of much concern since they were very few in numbers and were to be eliminated soon.

Homosexuality would be boosted up. The old age people would also be enticed to practice sex till last. Environment will be eased for free sex. Clothing will be designed and fashioned in a way to inspire sexual emotions. Females will be making their bodies more attractive and sexy and will display themselves more by wearing jeans that will fit more conspicuously in the crotches. Nipples will be provided with very fine covering material to attract attention and enhance sexual sensation. Diabolically reproduction will be the job of laboratory while sex will be a free game with no reproduction. Importance of family will be minimized. Nobody will be allowed to have more than two children so as to keep the family undersized. Divorce will be made easy and marriages difficult. Most of the people will tend to live in

hotels and apartments without legal bondage. Women will be provided more opportunities for work outside their homes and husbands will be transferred far away from homes. Such measure will be aimed to perturb family life and to curtail on the tendency for more births. At the start traveling facilities will be abundantly made available so that to allure people to accept far away transfers. If both wife and husband were employed, they would be transferred at different stations resulting very soon in giving up the job by one of them. This will create joblessness and frustration at the end.

Things will be manipulated for the extermination of old-age people since they will be considered as burden on the society. Health care facilities for such people will be very much costly and such people will have little support from their families because of complete disintegration of the institution of family. Such people will be left to end their life by taking the 'Demise Pill' which will be made easily accessible. Medical care will be attached to working capability with no facilities for those who have run out of working physically. These people will prefer to die rather than living a hapless life. There will be little facilities of insurance for old and weak people and they will be unable to visit hospitals where security will be tightened enough to make entry impossible for them. Hospitals will be turned into the dens of criminals rather than places for patient treatments. The criminals kept in the hospital abodes will be deployed for other secret activities. Doctors will be mostly tightened under the corporate administration to enslave them under the New System and opportunities for their

private practice will diminish.

Cancer, AIDS and other fatal diseases will be used as tools for controlling population growth. Professor Day admitted that the cancer could be cured right then but preference would be given to comforts availability to the patients rather than cure.

New diseases and ailments will be 'created' which will be difficult to diagnose and cure. Professor Lawerence was of the view that AIDS was a 'created' and propagated. Heart Attack will be used as tool for killing humans. Fatty diets available in much more mushrooming burger houses and readymade food restaurants will make people easygoing. Plenty availability of readymade foods will lessen the importance of home foods and kitchens will fall cool and barren. This will end the taste of family union and affinity round food table. Less exercise and more fatty and easy eating will make people ill and lazy to fall easy victim to different diseases. Education will be used as a means of getting earlier into puberty stage. How would it be used, Professor Lawerence could not recollect what was exactly narrated in the lecture.

Religions will be amalgamated into a single mixture. The Professor confessed that he was making this atheistic declaration despite knowing that people do have an attachment to the religion since their secrets and social attachments stand connected with religion. Since the religions, particularly Christianity will not be able to cope with the future changes therefore, they have to fad away. The way to do away with all sheds of Christianity is to fell the Roman Catholic Church one way or the other. Thereafter a

consensus religion on the international level could be drafted with portions of the old religions embodied therein. This very artificial type of religion is to be made acceptable to people at all levels. Eventually majority of the people will remain unconnected with the religion since they would realize that they did not really need any religion.

Changes will be done in the Bible so as to make it compatible with the newly evolved religion. Only basic erminologies and key terms of the Bible have to be altered as the whole book will need no redrafting. Professor Day claimed that the Church will fully cooperate with the endeavors of bringing change in Bible and the religion.

Schools will be used as centers for indoctrination. Classics in the literature will be changed alongside changes in Bible and religion. These changes will be of such a subtle nature that they could not be detected by common readers. Of course the changes will be of very basic nature which will help in convincing people to adopt the New System. Schooling timings will be of long duration but students will return homes with very little learning. Summer vacations will not be limited to summer but can be announced at any time of the year. What previously was to be learnt in Bachelor program could then be done only in degrees courses, meaning thereby long duration and little education with wastage of time! Studies will be made very intensive but very narrow with little extensive approach. There will be more specialization but the so-called specialists in one line will be quite ignorant of anything in other disciplines. Access to books and computers will be checked so as getting information on subjects out of one's own field will be very

difficult. Any one who wants to do so will have to justify his request with very convincing reasons.

Schools would be used as centers for social gatherings of different nature and various functions will be held in these centers. Elderly people will also have frequent visits to these schools to attend functions. They will encounter there new and unfamiliar activities, with which they will have little compatibility and as such they would start feeling disgusted and thinking about themselves to be worn-out individuals and a burden on society. Hence they better take the demise pills and vacate the space. In the same way students will be overburdened with all these multifarious activities along with education and they will fall short of competing in any one line. They will also fall prey to discontent and frustration. A great number out of this lot may leave schools and fall victim to drugs and alcohol and embrace death by taking demise pills.

Certain books will be stolen out from libraries through people specifically deployed for the purpose. At the same time a ban will be imposed that nobody could possess any book as one's own property. Rules related to Sundays will also undergo changes. Gambling rules will be modified and made easy so that this menace is flourished. Governments will participate in gambling activities along with individuals. Lotteries were already run under the patronage of governments with a view to getting maximum of the income which otherwise would go into private pockets. Anti-trust laws and bankruptcy laws will be changed or reinterpreted anew. Use of drugs and alcohol will be encouraged and strange enough that at the same

time laws pertaining to these things will be further intensified and made more effective. The real objective was that with easy availability of drugs the whole population will get addicted to them and laws will become operative against the week sections of the society to be eliminated as the principle of survival of the fittest will operate. There will be more need for constructing more jails and hospitals will be constructed keeping the requirements of jail in view so that in future they can be used for this purpose.

The second tape:

The sense of insecurity will be boosted up in people through various tactics. Names of the streets will be changed and ghost buildings will be allowed to remain unoccupied. Bridges and buildings will be constructed with very inferior material to be a threat to life. Such things will force people to leave the places and migrate elsewhere to live with everlasting frustration. "Not long time had passed after we attended this lecture when a number of incidences of bridges and building collapse were reported at different locations." Slums will be created to be good venues for criminal activities. Some people will leave these slums for some better place with no sympathy for the people remaining there, understandably for the criminal activities, so much characterized with these slums. The other places will better be secured through watch and ward and proper policing services. The professor was arguing that if insecurity was let loose in one place, there was enough arrangement for proper security in other places.

American industrial pre-eminence will be curtailed and different parts of the world will be given roles in industry

and commerce in a global setup. He expressed that demolishing of the existing building becomes imperative if somebody wants to construct a new one on a certain location. In the same analogy the American industry can be accounted for. In this reference he was particularly mentioning the motor car industry of America which should be made dubious to give a chance to other countries to come forward in this field. Similarly the national American game Baseball had to be reversed and instead Soccer had to be promoted because the former had been much more 'Americanized'. This can be done by arousing a biased attitude towards the players of the national game by enhancing their salaries to the frustration of people. The teammates and other getting less will find themselves forced to leave the game. At the end the owners and organizers of the clubs will feel the burden of these heavy salaries and the game will face a fateful end. In case of football, the Professor was admitting that it was difficult to finish it easily since it was quite popular in Europe and so many other countries. Also the element of violence in the football makes it sustainable as the psychology of people is inclined to the kind of vicarious violence. Soccer will be promoted to the international level and America will be made part of the international games. The game is already popular in South America , Europe and Asia . America will be seated on the bandwagon of the game after getting into this club.

Weapon like guns will not be allowed to go into the hands of common people on the pretext of hunting. Alternately guns could be obtained on loan from the centers opened by the 'System' for this purpose. Such weapon has

to be returned after the game is played.

Girls will be inspired to come out in the open and play with young boys instead of remaining indoors and playing with dolls. To fulfill this sort of agenda, girls will be provided more facilities and opportunities in order to match and excel males in all male activities. It is now 20 years passed as we see the scoring tables for girls with those of male players and athletes. (And now in 2014 we are used to witnessing almost naked females performing on the international playgrounds.) These types of females are now considered to be the role models of the time. As long as such females are advancing in age, they would prefer to be seen as athletes rather than a mother or a housewife.

Much more facilities and opportunities will be at hand where sexual and violent activities will be encouraged on the pretext of entertainment and leisure. Sex and rough language will openly be used. Lot of pornographic and sexual material will be available on the TV and cinema screens. VCR was not around by the time Professor Richard Day was lecturing. However, he vividly expressed that it would soon popularize on a wider scale. "You will see all that on the screens, of which you can imagine." The professor said, all this was meant to rouse sexual sensations and inspire sexual sensitivities coupled with the element of violence to stir up the whole social environment and force the people to reconcile with the situation. The element of violence will be intensified to the maximum so as cases of killing become common to the extent whence these will not be taken so serious a matter. Dr. Lawrence was quoting such a bloody accident which he had happened to

see along with his teenager son and which he could not shun off his memory afterward. He was angry with Dr. Richard Day who admitted to be a part of this movement.

Music will be modified to vulgarity with lyrics to sensitize sexual sensations and hedonism. It will be popularized among the young folk simply to lead them to sexual jubilations. The old music will only be left on certain stations only for old people with no attraction for the new generation. These entertainment facilities will be made available to the old people so that they could forget the afflictions of the World War 2nd and certainly such people will be very few beyond 90's. The vulgarity embedded music will flourish onward with much more vigor and intensity.

There will be ban on traveling. Everybody's movement will be watched by making him carry at first an ID card and later on to be undergoing an implanting under skin codification of personal data. Artificial shortage of food will be created so that the public become more sensitive to the population growth. Growing food stuff on private level will be controlled on the excuse of such products being contaminated with diseases and hence injurious to health. All such things will have to be procured from the sources and channels provided under the New World System.

Professor Richard also spoke of controlling weather. He was confidently telling the audience that they had got full control over weather or at least they had reached the point where they would be able to do it very soon. This, he said was not confined simply to the mixing of iodide crystal into the atmosphere to make artificial rain but actually the weather would be harnessed. We would be able to stop rain

on areas we want and will bring untimely rain on areas we want. Thus we will be able to hold back rain at the sowing time and will allow it to rain at the harvest which will greatly damage production of crops.

Professor Richard was endorsing World War 1 and 2 with the plea that population would have gone beyond bounds if billions of people had not been killed in these two wars. However, he was arguing against any nuclear weapon since it could be catastrophic to the whole world. Terrorism will prevail in Europe and the rest of the world. America has to accept the New World System without hesitation soon lest it should face the same fate of encountering wave of terrorism for which all the global conditions will be made very much conducive. America had no choice but to admit that the world was going to be a dreadful place if the world affairs were not given in appropriate hands. (The New World System)

The New System envisages full control of the economic domain where individual economies will also be controlled alongside with the collective enterprises. Your salaries will be disbursed through the electronic banking which will take up all the banks into a One Body management, albeit seemingly the banks to be separate and independent. Your total economic edifice will be liable to very easy checking with a single push of a button from somewhere not known to you. Excessive private savings will not be allowed and heavy taxation will stop people from hoarding more wealth. It will be done because there will be a possibility of challenging the new system by economically powerful people. You will be given a piece of leather in the

shape of credit card which will be your property vulnerable to fall easy prey to the totalitarianism of the New System. You will be chased and followed with implants and radio-signals and at times monitored by audio-monitors to be connected to one of the wires in your drawing rooms to fully watch your movements.

Private home ownership should be a dream of the past. Price will be raised to the skyrocketing stage and the sources for making houses will be made very difficult to get. Purchase of house will remain nobody's job with the passage of time, with the result that people will become renters and forced to live in apartments and condominiums which will not be accommodative for big families. Many houses will fall vacant for want of purchasers since prices will be too high to afford. House owners will gradually decrease in number to attain the status of minority while renters living in apartments will increase in number to become majority. The apartment dwellers will have no sympathy with the building dwellers and vice versa. Later on the house dwellers will be forced to leave the houses by levying heave taxes which will not be affordable for the owners. Such measures will be detrimental to the minority owners but will be acceptable rather a welcome measure for the majority apartment renters. The people will be forced to accept living in places provided by a Central Housing Authority instituted by the New System. These places will be inadequate for housing the family and will be insecure due to living of alien people in attached dwelling lacking privacy.

A global system of totalitarianism will dominate to which all people will have to make allegiance to never revert to the

old system. There will be no room for those who do not wish to toe with the system. People indulging in cluttering will be shifted to special places. They will not be able to live there long as death will be the only alterative for them, never to be called martyrs of any cause. The new system will start on a weekend of winter season. People will hear declaration for the system on the morning of Saturday after every activity would close on the previous evening of Friday. People will be too preoccupied to know anything of their surroundings.

The methods and procedures for official investment will undergo drastic changes with repeated alteration in the interest rates. People will not know profits of their investments. Motor vehicles will seem to be of different kinds but they will actually be the same manufactured by different industries.

The point to be pondered is that all this stuff was spoken out in one sitting by a single person which were the endeavors of so many actors, and many of them have actually come to fore within a period of 20 years. Planning for lot of others has been done signifying thereby that all these are very cunningly planned under great conspiracy.

CONCLUSION

For us the serious question is what to do now? The simple answer is to strengthen our belief in Allah and implore upon Him to guide us to the right path and help us against this diabolic agenda. At the same time every one of us should try to pass on this information to as many people as possible. We should long for a system that can guarantee freedom and justice for all the people on this globe.

یاالٰہی! پھیر دے رُخ گردشِ ایّام کے

آغا حشر کاشمیری

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے
بادلو ہٹ جاؤ‘ دے دو راہ جانے کے لئے
اے دعا‘ ہاں عرض کر‘ عرشِ الٰہی تھام کے
یا الٰہی! پھیر دے رُخ گردشِ ایّام کے
ڈھونڈتے ہیں ہم مداوا‘ سوزشِ غم کے لئے
کر رہے ہیں زخم دِل فریاد‘ مرہم کے لئے
صلح کی تھی کل جن سے اب وہ برسرِ پیکار ہیں
وقت اور تقدیر دونوں درپئے آزار ہیں
خلق کے راندے ہوئے‘ دنیا کے ٹھکرائے ہوئے
آئے ہیں اب تیرے در پر‘ ہاتھ پھیلائے ہوئے
خوار ہیں‘ بدکار ہیں‘ ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں
کچھ بھی ہیں‘ لیکن تیرے محبوب کی اُمت میں ہیں
حق پرستوں کی اگر کی تو نے دل جوئی نہیں
طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور شمارہ 17، مئی 2005ء

اِنْ شَآءَ اللّٰہ

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

ماہِ نومبر 2014ء کا شمارہ

ایک خصوصی اشاعت کے طور پر

شائع کر رہا ہے

جس کا عنوان ہے:

جنوبی ایشیا میں

ھندو مسلم نظریاتی کشاکش

کا تاریخی جائزہ

آغازِ اسلام سے ایٹمی پاکستان تک

(610ء تا 2014ء)

اہل علم سے درخواست ہے کہ اس خصوصی اشاعت کے لیے قلمی تعاون فرمائیں۔ نیز موضوع سے متعلق تراشے، حوالہ جات اور مضامین 10 اکتوبر 2014ء تک ارسال فرمائیں یا مطلع فرمائیں۔

(ادارہ)

الحمدللہ　　　　　　　　　　سلسلۂ مطبوعات 10

تعمیر سیرت و کردار

سیرت و کردار کے بعض مخفی گوشوں کی تعمیر کے فلسفے پر مشتمل چند مضامین اور خطبات کا مجموعہ شائع ہوگیا ھے

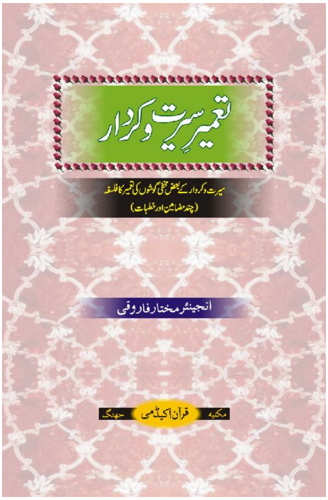

اس کتاب میں سیرت و کردار کی تعمیر کی بلندی کے لئے جن ناگزیر بنیادوں کا ذکر ہے وہ انسان کے زاویۂ نگاہ، نقطۂ نظر اور مطمع نظر کو بدل دینے والی ہیں اور چمکنے والی ناپائیدار چیزوں کی بجائے حقیقی ناگزیر باتوں پر نظر کو جمانے میں مدد دیتی ہیں اور انسانی کامیابی اور بلند کردار کے لئے صحیح نصب العین کو واضح کرتی ہیں۔

320 صفحات　　اعلیٰ جلد　　قیمت 450 روپے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر